

SUNDAY

نئی بات

sundaymag@naibaat.com

14 نومبر تا 20 نومبر 2021ء

دوپٹہ کیا رکھ لیا اس کملی نے سر پر
ہائے وہ مجھے دہن سی نظر آنے لگی



معیار بھی لانا
نام بھی لانا
www.lasaniindustries.com

ادھر ادھر کی باتوں میں نہ آؤ
صرف لانا کا
توت سیاہ + ملٹھی
تمام مارکیٹ میں دو اوقات میڈیکل اسٹورز،
پنس اور جنرل اسٹورز پر دستیاب ہے

حلال
ISO
ISO
ISO

جیپسی
امیزنگ کریم
کیل چھائیاں اور داغ دھبے دور کرے

Gipsy
AMAZING
CREAM
THREE OILS IN ONE



جون ایلیا اور زاہدہ حنا کی بیٹی
سوینا فرنام کی دل گذار تحریر

(تقریباً 1)

آج ابوی کی اسیویں برسی ہے دنیا اور ان کے مداحوں نے انہیں آج کے دن کھویا تھا مگر میں نے ابو کو سا لہا سال پہلے کھو دیا تھا۔ یہ وہ موضوع ہے جس پر بات نہیں کرتی یا نہیں کرنا چاہتی تھی اور میں برسوں خاموش رہی بہت سے لوگوں نے چاہا کہ میں ان سے اس موضوع پر بات کروں مگر میں نے ہمیشہ ٹال دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ بہت ذاتی نوعیت کی بات ہے اور اپنے گھر کی بات میں دنیا سے کیوں کروں۔ سوینا اور میں نے کئی دفعہ چاہا کہ ہم اس لئے ابو کے بارے میں بات کریں کیونکہ ہماری خاموشی کی وجہ سے لوگوں نے ایسی باتیں کہیں جو بڑی تکلیف دہ تھیں اور سچ سے ان کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

میری سوینا اور زویان کی مشکل یہ ہے کہ ہمارے دونوں والدین مشہور ہیں اور مشہور لوگوں کی زندگی پر بات کرنا ان کے مداح اپنا حق سمجھتے ہیں بات اتنی سادہ ہوتی تو کوئی مشکل نہ تھی مگر سچائی کا علم ہونے بغیر یا ایک طرف کی بات سن کر رائے قائم کرنا اور اس پر یقین لے آنا زیادتی ہے۔

ہماری خاموشی نے لوگوں کی مزید حوصلہ افزائی کی اور جس کا جو

بارہ برس کی عمر تک یہ تصویر ہی میری زندگی کا سچا تھی۔ میں زندگی کو ایسا ہی سمجھتی تھی میں نہیں جانتی تھی کہ یہ تصویر میری زندگی کا اصل سچ نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت جب یہ تصویر تیار کی گئی تھی اس میں امی ابوج میں ایسے ہی تھے ایک دوسرے کے لئے یا وہ میری ساگرہ پہ مجھے خوش کرنے کے لئے اس تصویر میں وہ رنگ بھرا ہے تھے جن کا وجود ہی نہیں تھا۔ جب ایک دن آدھی رات کو میں نے ابو کو امی سے لاتے ہوئے سنا تو مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا اس کیفیت کو میں آج بھی بیان نہیں کر سکتی میں صبح کے انتظار میں جاگتی رہی مجھے امی سے بات کرنی تھی مجھے جانتا تھا کہ یہ سب کیا ہے مجھے اس وقت رونا چاہیے تھا، میں اگر کسی فلم میں بھی کوئی جذباتی منظر دیکھوں تو میری آنکھیں نم ہو جاتی ہیں سنا میں میرے بچے خوب ہنستے ہیں مجھے اس طرح

جذباتی ہوتا ہوا دیکھ کر گھر اس رات میری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں گرا تھا۔ صبح میں نے جب امی سے پوچھا کہ کیا کل رات ابو آپ سے لڑے تھے؟ تو وہ ایک سوال تھا اپنے کانوں سے سب سن کر بھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا اس کی وجہ تھی کہ میں اپنے ماں باپ کو دنیا کا آئیڈیل مانتی تھی



صحیحی حسی اور

زندگی کو ان کے مصرعے میں تلاش نہیں کر سکتی تھی، میری تو زندگی تھی وہ میرے، حسنینا اور زویان کے

کو پکارتے تو ہمارے بجائے اپنی بھینچوں کے نام لیتے۔ ابونہ تو خود امی کو قبول کر کے اور نانا کے خاندان نے امی کو بھی قبول کیا اس لئے کہ امی امرہ وہی نہیں تھیں اور نہ ہی وہ شیدہ تھیں ان باتوں کی وجہ سے امی ابونہ وہ فاسلے پیدا ہو گئے جو وقت کے ساتھ بڑھتے چلے گئے۔ ابو سے یہ بات ہضم کرنا بھی مشکل ہوتا چلا گیا کہ وقت کے ساتھ امی کی شہرت میں اضافہ ہو رہا تھا وہ ایک بہت بڑھے گلے انسان تھے اور ان سے ایسی سوچ کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

میں نے مشاعروں میں جانا چھوڑ دیا کیونکہ جب لوگوں کو معلوم ہوتا کہ میں کس کی بیٹی ہوں تو سرگوشیاں شروع ہو جاتیں اور جو کچھ سنا پڑتا اس سے تکلیف ہوتی۔ جب نوں کلاس میں امتحانی فارم آئے تو میں نے گھر جا کر کہا کہ میں اپنا نام تبدیل کرنا چاہتی ہوں جب میرا نام سوینا جون تھا امی بہت حیران ہوئی تھیں کہ

میں کیوں اپنا نام تبدیل کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے ابو کا نام اپنے نام کے ساتھ نہیں لگانا میں اس وقت سولہ سال کی تھی اور یہ فیصلہ لینا میرے لئے بہت تکلیف دہ تھا مگر میں جانتی تھی کہ وہ رشتہ جو دنیا میں مجھے سب سے

پیارا تھا وہ میرے اور ابو کے زخمہ ہوتے ہوئے بھی ختم ہو گیا ہے اب میرے لئے اس دن مر گئے تھے میرے لئے زندگی کے سب سے قیمتی تھیں ہو گئے تھے۔ میں جب پیدا ہوئی تو ابو نے میرا نام سہیلانہ رکھا تھا ابو سے جب میرا رشتہ ٹوٹ گیا تو میرے لئے سب کچھ بدل گیا، میری پہچان بدل گئی اور ایسا ابوی کی وجہ سے ہوا اس

ایک بیٹی کا اپنے بڑے شاعر باپ کے نام برسی کے موقع پر کھانا آپ باپ بننے کے حقدار نہیں تھے!



آج میرے ابوی برسی ہے دنیا اور ان کے مداحوں نے انہیں آج کے کھویا تھا مگر میں نے ابو کو سا لہا سال پہلے ہی کھو دیا تھا، میرے والدین مشہور لوگ ہیں اور ان کی زندگی کے بارے میں جاننا مداح اپنا حق سمجھتے ہیں۔

جب ایک رات کو میں نے ابو کو امی کے ساتھ لڑتے جھگڑتے دیکھا۔ میں امی سے بات کرنے کے لئے ساری رات سوئی نہیں۔ اگلی صبح ماں سے رات والی بات کے بارے میں پوچھا تو ان کا جواب سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے

لئے میری زندگی کراب جو نہ رکھا جائے گا وہ ابوی رکھیں گے۔ میرے لئے بہت مشکل لوگوں کا سامنا کرنا ان کے جیسے ہونے سوالوں کا جواب دینا مگر پھر مجھے سمجھ میں آ گیا کہ میں ابو کے لئے کی ذمہ دار نہیں ہوں۔ وہ اپنے بچے کے ذمہ دار خود ہیں۔ ابوا کھڑی سے لڑائی کے بعد کہتے کہ انہیں یاد نہیں کہ کبھی رات کیا ہوا تھا اس لئے کہ وہ شراب کے نئے میں تھے مگر ہم سب جانتے تھے کہ وہ کھل ہوش دوا اس میں یہ سب کہہ رہے ہیں ان کا کہنا تھا کہ شاعر کے یہ مسائل نہیں کہ وہ گھر کے گرانے یا سودا سلف کے بکھیزوں میں پڑے مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے بھگانا چاہتے تھے۔ میں نے اپنے دادا دادی کو نہیں دیکھا۔ ان کا انتقال امی ابوی شادی سے پہلے ہو گیا تھا وہ دونوں سادہ مزاج تھے اور ابو کے طرز زندگی سے دگنی دیتے تھے۔ ابو کا یہ خیال کے شاعر اور ادیب کو زندگی کے ان جھیموں سے آزاد ہونا چاہئے واصل زندگی اور اس سے وابستہ ذمہ داریوں سے فرار تھا۔

تو باپ تھے وہ ہمیں شاعر جون ایلیا نہیں ہمارا باپ جون ایلیا چاہئے تھا جو کہیں کھو گیا تھا۔ وہ یہ بھول جاتے تھے کہ ہم کس جماعت میں پڑھ رہے ہیں یا ہماری عمر کتنی ہے انہیں ہماری ساگرہ یاد نہیں رہتی تھی وہ جب مجھے یا حسنینا

ابو میرے آئیڈیل تھے میں ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی امی سے بھی زیادہ اور اس لیے کی توقع میں ان سے نہیں کرتی تھی۔ امی نے مجھے بھلا دیا تھا وہ شاید مجھے میری اس خیالی دنیا سے اصلی دنیا میں نہیں لانا چاہتی تھیں۔ انہیں

دل چاہا وہ اس نے کہا اور رکھنا۔ آج سے زیادہ کوئی دن موضوع نہیں جب میں وہ سب یہاں کھوں جو کھتا آسان نہیں اور جسے کھنے سے میں ہمیشہ بھگتی رہی۔

اور شہرہ آفاق ادیب ہیں انہیں بچوں کے ذہن میں بھرے اس زہر کا تریاق ہونا چاہئے تھا مگر افسوس ایسا نہیں ہوا۔ اس تحریر سے مجھے تو بہت دکھ ہوا خوشی رشتوں کی بے رشتی دیکھ کر۔۔۔۔۔

بہی سیات یا فرنام کی تحریر نے دل کو کھٹ کر رکھ دیا ہے۔ یہ تحریر ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب میری بیٹی اسپتال میں بہت نازک حالت میں داخل ہے اور ہم سب اپنا گھر چھوڑ کر اسپتال کے فرش پر پڑے ہیں۔ میں اپنی گھر بیٹو ڈے داریوں کے باعث کبھی مشاعروں میں نہیں جا پاتا۔ آج بھی ایک مشاعرہ ہے، جس کا کل انتظام مجھے کرنا تھا، لیکن بیٹی ماری کی بیماری کے باعث یہ ڈے داریاں پیارے دوست کے حوالے کی ہیں۔ مشاعرے میں جانے کا کسی صورت سوچ بھی نہیں سکتا۔ اللہ تمام والدین اور بچوں کے باہمی تعلق اور رشتوں کا مان رکھنے کی توفیق دے

مجھے اٹلس ٹی وی پر جون ایلیا کی بیٹی کا وہ انٹرویو یاد ہے۔ جس میں اس نے کہا تھا جون ایلیا نے شک ایسٹھ انسان ہوں گے مگر ایک ایسٹھ باپ نہیں تھے۔ وہ ہم سے اپنے معشوق کا ذکر کرتے اور ہم سے ہمارے معشوق کے بارے میں پوچھتے۔ یہ کہتے ہوئے

اس لڑکی آواز میں کرب اتر آیا تھا۔ یہ تحریر ہماری تاریخ کی طرح تاریک اور زہرناک ہے۔ اس تحریر

ہوتی ہے پھر چاہے خوشی سے دی جائے یا جمہوری میں ہو جائے۔ بہت اعلیٰ اور آنکھیں کھولنے والی تحریر ہے! شاعر یا لکھاری کو یہ لائنیں نہیں دیا جاسکتا کہ چاہے وہ جیسا بھی رویہ روا رکھے اس کے کردار پر بات نہیں کی جاسکتی۔ جون ایلیا بڑا انہیں مگر چھ مشاعرہ تھا:

کسی کا بڑا شاعر ہونا کافی نہیں، بہتر انسان ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ اسکی شاعری یا تحریر میں جھوٹ اور مبالغہ کا پہلو آجاتا ہے۔ شاعر کا خود غرض نرسکیٹ کا شکار ہونا بہت بڑی کمزوری ہے۔ از دو اجی زندگی میں ناکامی پر آپ کا رویہ کیا ہوتا ہے اسکی بڑی اہمیت ہے Incompatibility کا باوجود رویے درست رکھے جاسکتے ہیں چاہے تو بت تلخ کی تک ہی کیوں نہ خنقی جائے۔ سلامت رہیں آپ تینوں بہن بھائی اور والدہ صاحبہ۔

جون بھائی شعرا کے اس قبیل سے تھے جو اپنی پہلی کنٹٹ کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ شاعری اور نثر میں یہی فرق ہے۔ شاعری کی دیوی پورا وجود مانتی ہے۔ شعرا کی بیویاں ایک کرب کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں۔ جب دونوں فنکار ہوں تو اسٹینڈ لینا ہی پڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ

سب کو شاد و آباد رکھے۔ اور جون بھائی کے درجہ بلند فرمائے۔ آمین۔ ہر بڑے آدمی کی ذاتی زندگی میں ایسے شیب و فراز آتے ہیں لیکن اولاد تو اولاد ہی ہوتی ہے اسے اپنے ماں باپ کے بارہ میں ایسی

زیادہ مشقت کی ہے اور جون صاحب ہمیشہ اپنی مستی میں سرشار رہے۔ انہیں اپنی ڈے داریوں کا احساس تک نہ تھا۔ اتفاق سے جون صاحب کو ایک مداح بھی ویسے ہی ملے۔ ایک شاعر کی بیٹی کی یہ تحریر پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں اور جنہیں بے ساختہ خدا کے سامنے ہنر کرنے کو چیلنگی کہ ایک شاعر ہو کر میرے ابو نسیم یار نے بے حد کامیاب از دو اجی زندگی گزار لی ابوی وفات کے تین برس بعد بھی آج امی کی محبت کے حصار میں ہیں، خدا پاک میرے والد محترم شاعر شہاب حضرت نسیم یار کو روٹ کر روٹ جنت نصیب فرمائے، امین تم امین، ہم نے ساری زندگی امی کو ابو کی محبت کے گن گاتے دیکھا، امین جون ایلیا کی بیٹی کی تحریر نے دل دکھا دیا، شاعر، ادیب، فنکار، ان شخصیات پر تو دہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انکی زندگی عوام کے لیے مشعل راہ ہوتی ہے، اللہ پاک ہر کسی کے والدین کو اپنے بچوں کے لیے قابل فرمائے، امین ثم امین

جون کو شادی ہی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ بچوں کے ساتھ زیادتی ہوتی مگر اس میں کچھ معاملہ میاں بیوی والے لڑائی جھگڑے کا بھی ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ مختلف کام کرتے ہیں جسے اوسط سطح کے لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جون ہماری شعری روایت کی زندہ مثال تھے مگر زہر دہن کی بھی اپنی شخصیت تھی اور یہ بات دونوں کے لیے قابل تعریف تو کیا قابل قبول بھی نہ ہو سکی۔ جون بھی اس صورتحال سے گھماکل تھے جس کا اظہار ان کے اشعار میں بھی ہوتا ہے مگر عورت اور مرد کا تعلق جب نفرت میں بدل جائے تو بچے عام طور پر ماں کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بہر حال جون ایک مختلف انسان تھا اور

ابو سے زیادہ خوش قسمت انسان میں نے نہیں دیکھا۔ قدرت نے انہیں سب دیا عزت، شہرت، مگر وہ خوش نہیں رہ سکے کیونکہ انہوں نے اپنے رشتوں کی قدر نہیں کی۔ جو انسان محبت کرنے والے ماں باپ کا اور اولاد کا نہ ہو وہ اپنا بھی نہیں ہو پاتا۔ ابو کے انتقال کی خبر مجھے فون پر ہی نہ دی تھی۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ ابو نہیں رہے۔ وہ میری زندگی سے بہت پہلے رخصت ہو گئے تھے اور اس دن وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

میری جب کامران سے شادی ہوئی تھی تو امی نے ان سے اور ان کے گھر والوں سے ابو کے بارے میں بڑی تفصیل سے بات کی تھی۔ میں نے اپنے طور پر بھی کامران سے بات کی تھی کیونکہ میں جانتی تھی کہ وہ ابو کے مداح ہیں اور ان کو معلوم ہوتا چاہئے کہ ابو زندہ ہوتے ہوئے بھی میری زندگی میں کہیں نہیں ہیں وہ آج بھی ابو کے مداح ہیں مگر وہ میرے اور ابو کے تعلق کے ٹوٹ جانے کو سمجھتے ہیں اور میرے ساتھ ہمیشہ کھڑے رہے ہیں۔ میرے دوستوں نے میرے باپ سے میرے تعلق کو جانتے ہیں۔ میری بیٹی ان کی شاعری پڑھتی ہے اور میرا بیٹا کالج سے آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست محبت میں ناکام ہو کر ابوی شاعری پڑھتے ہیں۔

بڑی دلچسپ کہانی ہے ایک عالی مرتبہ شاعر کا اپنی اولاد اور زوجہ سے ناروا سلوک انتہائی قابل مذمت ہے۔ آج اس تحریر سے انکی زندگی کا یہ سچ پہلو بھی سامنے آیا کہ بظاہر خود کو ادیب کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کرنے والے کو گھر کی ذمہ داریوں اور رشتوں کے تقدس سے کوئی سروکار نہیں تھا ایک بیٹی کے لیے باپ ہی اسکا سب سے زیادہ محافظ ہوتا ہے اور افسوس کہ جون صاحب ادیب میں اتنی عزت پانے کے باوجود اپنے خوشی رشتوں اور از دو اجی زندگی میں بے ادبی کرتے رہے۔

کس قدر یک طرفہ تحریر ہے جس میں صرف میں ہی میں



ابو کا یہ خیال کہ شاعر اور ادیب کو زندگی کے ان جھمیلوں سے آزاد ہونا چاہئے اور اصل زندگی اور اس سے وابستہ ذمہ داریوں سے فرار تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے نام کے ساتھ ابو کا نام آئے۔

ابو کے مداح یہ خواہش رکھتے تھے کہ ہم ان کو سرکار، مرشد، جون ایلیا تصور کریں مگر ہمارے لئے فقط ایک باپ تھے اور بس۔۔۔ جو انسان محبت کرنے والے ماں باپ کا اور اولاد کا نہ ہو وہ اپنا بھی نہیں ہو پاتا۔

ہے میں سادہ کا ترسے ہوں۔ کاش کوئی کچھ پاتا کہ جون ایلیا نفسیاتی مریض تھے۔ ان کا علاج ممکن تھا جب نہ ہو تو شراب اور نشہ ہی دوا ہوتا ہے۔ انتہائی آوازوں کا شور، دوسری کانیاتوں کا اور راک اور دن سے تعلق انسان کو اپنی دنیا بھلا دیتا ہے۔ سارا گفتگو اور جون ایلیا ہائی پلار کے ایسے کھلے کس تھے لیکن اسنے ہی علاج سے بچر دور رہے۔ اتنی سچ زندگی کا کوئی تصور نہیں کر سکتا۔ سبکی صدمہ آپ نے صرف باپ کو یا تھا اور آپ کے باپ نے ہر رشتہ کھو دیا۔۔۔ کبھی آپ جیسے اور زاہدہ دتا جیسی روشن خیال عورت نے سوچا ہوتا کہ آخر جون کا مسئلہ کیا ہے۔ یہ چھپے سنی، شہرت کا رڈ بہت پرانا ہے سبکی۔۔۔ جب آپ نے ان کی زندگی میں تعلق توڑ ہی لیا تھا تو اب کڑھے مردے اٹھاڑنے کا مطلب کیا اور کیوں ضرورت پیش آئی۔ اگر گلٹ ہو رہا ہے تو آپ کا علاج بھی ضروری ہے ورنہ ڈیپیشن گھیر لے گا۔

سب سے بڑا جی یہ ہے کہ امی نے ساری زندگی اپنے حصے سے کہیں

میں کرب و رب کچھ نہیں مناسب ہوتا کہ گھر کی بات گھر میں رہتی۔ بہر حال جون کے شیوا انہوں کو ان کے فنی مقام و مرتبہ سے غرض ہے ان کے گھر بیٹو معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ زاہدہ دتا صاحبہ بہت بڑی شخصیت کی مالک

ان سے مزدوری کرنے اور نئے مزدور تیار کرنے کی توقع رکھنا بیوقوفی سے کم نہیں تھا۔ جہاں تک مجھے سمجھ آیا ہے جون صرف اپنے بچوں کی نہیں بلکہ گل جہاں کے بچوں کا مقصد ملتا رہے تھے۔ ایسے عظیم پرائیکٹس میں قربانی لازم

میں کرب و رب کچھ نہیں ایک قسم کا بہکاوا ہے، ماں نے بچوں کو کس حال میں پالا ہوگا جیسے پست اور پٹے ہوئے مصلوب و مردود جملے جن میں زندگی کا کوئی مثبت پہلو سامنے نہیں آیا۔ (جہاری ہے)

سازش کے بیانیے کا تجزیہ

1951ء کی راولپنڈی سازش کے بارے میں مبصرین کہتے ہیں کہ یہ مبینہ طور پر پاکستانی افواج کی ایک سیاسی حکومت کا تختہ الٹنے کی پہلی کوشش تھی۔ اس کے علاوہ اس مبینہ سازش میں ایک اور منظرہ بات یہ تھی کہ یہ واحد مبینہ سازش ہے جس میں پاکستان کی ایک سیکولر اور کیمونسٹ پارٹی پر فوج کے ساتھ سازباز کرنے کا الزام بھی لگا۔ جبکہ اس کے برعکس جن مورخین نے اس معاملات پر تحقیق کی اور سازش کے ثبوت مانگے ہیں ان کے بقول اصل

کرنے کا پورا ماحول تیار کر لیا گیا تھا، جس کا اثر آج تک موجود ہے۔ فیض احمد فیض کو بدنام کرنے کے لیے آپٹیکس اینجینیئری کی سرپرستی، لبرل اور دائیں بازو کی جانب جھکاؤ رکھنے والے صحافیوں کے ذریعے ہم چلائی گئی جس میں انہیں ریاست مخالف اور اسلام دشمن بنا کر پیش کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ بعض موقعوں پر تو گستاخ رسول جیسے الزامات بھی عائد کیے گئے۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعی ایک سازش تھی ان میں کئی اور مصنفین اور مبصرین کے علاوہ سابق کینیڈا سیکریٹری، حسن ظہیر ہیں جنہیں، بقول ان کے،

ایوب خان اور اسکندر مرزا جیسے لوگوں نے پاکستان سے دامنوں فروخت کر دیا سازش نہیں حق کی جنگ تھی



اگر تلسازش کیس۔۔۔ پردہ اٹھتا ہے

ہیں کہ اس سارے معاملے میں کوئی سازش نہیں تھی۔ یہ درست ہے کہ حکومت نے ان دستاویزات کو خفیہ رکھا اور ابھی حال ہی میں ان پر سے پابندی اٹھائی گئی ہے، تاہم اس سازش کے بنیادی غدو مخالف سببی کے علم میں ہیں۔ حسن ظہیر یہاں ان دو افسران کی اپنی تصنیفات کا ذکر کرتے ہیں جن پر راولپنڈی سازش کیس کے قانون کے تحت مقدمہ چلا تھا اور



دوران جو حقائق پیش کیے گئے وہ کافی حد تک درست تھے۔ تاہم ان کے بقول ان سزایافتہ افراد نے جو سوال اٹھایا وہ ان الزامات کے قانونی پہلو کے بارے میں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ”جب 23 فروری کی جنگ میں ہر بات ملتی یا تمام اقدامات منسوخ کرنے کا فیصلہ ہو گیا تھا اور جو بیانات میں بائیں کی گئی تھیں ان کے حصول کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی بزم سرزد ہوا ہی نہیں تھا۔ تاہم حسن ظہیر کے مطابق ٹریوٹس نے اپنے فیصلے میں سازش کے قانون اور اس کی توہینات پر سیر حاصل لنگوکی ہے۔ اس کے مطابق ٹریوٹس نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ چاہے اس سازش کو ملٹی جامد پہنانے کے لیے ملٹی طور پر کوئی غیر قانونی اقدام کیا گیا ہے یا نہیں، تعزیرات پاکستان کی دفعہ 121 سے اسے تحت پھر بھی سزا دی جا سکتی ہے۔

اگر 1951ء میں واقعی کوئی تہدلی آجاتی؟

فرض کیجئے کہ پاکستان میں کوئی تہدلی آتی، فوجی انقلاب کے ذریعے نہیں، بلکہ ایک قومی تحریک اور کیمونسٹ پارٹی پر سرکاری یلغار نہ ہوتی تو آج پاکستان کی کیا صورت حال ہوتی؟ ایک صورت تو یہ ہوتی کہ جس آسانی سے ایوب خان نے پاکستان کو امریکہ کی شہرچ کی کھیل کا ممبر بنا دیا، وہ نہ ہوتا۔ اس نے پاکستان کو بہت ارزاش قیمت پر فروخت کر دیا۔ یہ پالیسی کہ پاکستان کو برطانوی اور امریکی ہاک کا حصہ بنا دیا جائے، اس وقت

اس کی بہت زیادہ مخالفت تھی۔ مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندی کی مفرنی پاکستان میں بھی کافی مخالفت



تھی۔ بنیادی طور پر راولپنڈی سازش کے کیس کو کیمونسٹوں کو کھیلنے کے لیے استعمال کیا گیا، جس کا مطلب ہے کہ پاکستان میں دانشورانہ سوچ کو کھانا تھا۔ جو بھی ان کے خلاف (حکومت کے خلاف) باتیں کر رہے تھے، وہ تو صرف پائیں ہی کر رہے

کون ہمیں پیسے دے گا، کتنا اسلحہ دے گا؟ ہماری خدمات کا کرایہ کون دے گا؟

تھے، ان (باتوں) کو انہوں نے آئے کے طور پر استعمال کر کے انہیں کھل دیا، بنیادی طور پر تو اس طرح انجیلیزم کو ان پر یلغار کرنے میں بہت آسانی ہو گئی۔ اپوزیشن کا اس طرح کھیلے جانے سے طویل المدتی اثرات مرتب ہوئے، جس طرح بعد میں سینو اور سینو میں شمولیت اختیار کی گئی اس کے خلاف ایک موثر اپوزیشن ہوتی (جو نہیں ہوتی)، کیونکہ عوامی سطح پر ان معاہدوں کی بہت زیادہ مخالفت تھی (لیکن ان کا اظہار کرنے والے رہنما موجود ہی نہیں تھے)۔ کسی نے اسے بڑے فیصلوں پر عوام سے کوئی مشاورت نہیں کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ایوب خان اور اسکندر مرزا جیسے چند لوگوں نے پاکستان کو سستے سے فروخت کر دیا اور جس طرح فروخت کیا آپ اس سے آج بھی عجیب گھبراہٹیں پاسکتے ہیں۔ ابھی تک یہاں کے لوگ جو ہیں وہ امریکہ کی حکومت جو صدر جو بائیڈن کی انتظامیہ ہے، اس کی جانب دیکھ رہے ہیں کہ کون ہے جو ہمیں پیسے دے گا، کتنا اسلحہ دے گا ہماری خدمات کا کرایہ کون دے گا، ہمیں تو عادت پڑ گئی ہے کہ کوئی ہمیں منت میں اسلحہ دے دے گا، کچھ دے۔ تو اگر آپ سوچتے ہیں کہ کیا فرق ہوتا تو میں کہوں گی کہ ایسی ذہنیت نہ پیدا ہوتی۔ کیا (راولپنڈی سازش کیس) کے بعد کیمونسٹ پارٹی کا مستقبل بالکل جاہ ہو گیا؟ انہوں نے تو اسے کھل کر رکھ دیا تھا۔ جو باتیں کرتے ہیں وہ ثبوت نکالیں اور ثابت کریں (کہ یہ سازش تھی)۔ انہوں نے اس سازش کو استعمال کر کے کیمونسٹ تحریک کو تھس نہیں کر دیا۔ راولپنڈی سازش کیس کا بہانہ بنا کر انہوں نے اس تحریک کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ (ختم شد)

سزائیں دی گئیں تھیں۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیمونسٹ لیڈران جن پر مقدمہ چلا تھا وہ اس مقدمے پر بات کرنے کے لیے تیار تھے۔ حسن ظہیر کہتے ہیں کہ ”جو افسران اس سازش میں ملوث تھے اور اس کے علاوہ جن سے انہوں نے اپنی کتاب کے شائع ہونے سے پہلے انٹرویو کیے انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ اس مقدمے کے

راولپنڈی سازش کیس کے مقدمے کی دستاویزات تک اتفاق سے رسائی حاصل ہوئی۔ راولپنڈی سازش کیس کی ساری کارروائی خفیہ قرار دی گئی تھی اور مقدمے کی تمام متعلقہ دستاویزات کا سلفا نیڈ ڈاکیومنٹس قرار دے دیے گئے تھے۔ یہ دستاویزات ڈی کلاسیفائی کرائے اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سازش رچائی گئی تھی اس لیے ملزمان کو سزائیں درست طور پر دی گئی تھیں۔ سب سے پہلے بائیں بازو کے دانشوروں کے ان دعوؤں کا جائزہ لیتے

سازش کے واقعے کو وزیر اعظم یاقوت علی خان اور ان کی حکومت نے جس انداز سے کوڑ کیا اس میں شامل کرداروں کو ملک دشمن ثابت کرنے کا پورا ماحول تیار کر لیا گیا تھا

دستاویزات ڈی کلاسیفائی کرائے اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سازش رچائی گئی تھی اس لیے ملزمان کو سزائیں درست طور پر دی گئی تھیں

مشرقی پاکستان میں مخالفت زیادہ سنگین تھی مغربی پاکستان میں بھی کافی مخالفت تھی بنیادی طور پر راولپنڈی سازش کے کیس کو کیمونسٹوں کو کھیلنے کے لیے استعمال کیا گیا



نبیلہ ملک

”الخدمت“ کی خدمات نے نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی اداروں میں بھی بڑا نام اور مقام بنا لیا ہے۔ کل آج اور آنے والے کل میں ایک بڑے ادارے کا کیا کردار ہوگا؟ ذیل کے کالموں میں ہم نے الخدمت فاؤنڈیشن کے صدر عبدالغفور سے ملاقات کی اور ان سے مستقبل کے بارے میں سوال و جواب ہوئے جو ذیل کے کالموں میں پیش خدمت ہے۔ الخدمت میں آنا کیسے ہوگا؟

کہہ سکتے ہیں کہ اس حیثیت، بطور ”مرکزی صدر الخدمت“ میں حادثاتی آیا ہوں۔ فلاحی اور خدمت کے کاموں میں میری دلچسپی اور حصہ داری بچپن سے ہی شامل رہی جو کہ آہستہ آہستہ طبیعت ثانیہ میں تبدیل ہو گئی اسکے بعد حیثیت کو جو ان کر لیا۔ حیثیت کے پلٹ فارم سے امدادی کیسپس میں خاصا کام کرنے کا موقع ملا۔ بعد ازاں میں امریکہ چلا گیا۔ وہاں پر ”آرٹن کیمپن آف اسٹاک سٹرنٹا فوڈ امریکہ“ کی جانب سے ریلیف کے کام کرتے رہے۔ بالخصوص یونینیا کے مسئلے پر جب امریکہ اور تمام میڈیا یونینیا کے فن میں تھا، اس میں منظر میں ہم نے امریکہ سے یونینیا کے فن میں بہت زبردست ہم چٹائی اور بہت امداد پہنچائی۔ یون فلاحی کاموں کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت جاری تھا۔ پاکستان آکر میں نے خود ایک فلاحی تعلیمی ادارہ شروع کیا۔

کیا ”الفلاح“ سکارشپ پراجیکٹ“ ابھی بھی جاری ہے اور اس کے تحت دیے جا رہے ہیں؟

ہاں، نیٹ ورک پوری طرح فعال اور ہے۔ وہ ٹائف جاری کر رہا ہے۔



رہا ہے۔ ہم نے اپنے بیرون ملک ڈونرز پر تھم مار کر کرنے کی خاطر ملکی ڈونرز کی جانب توجہ کی۔ مثلاً ہمارے زیادہ تر ڈونرز سعودی عرب، امریکہ اور یورپ میں تھم پاکستان تھے اور ہماری تنظیم کے قریباً 80% فنڈز ان کی جانب سے آئے والی امداد پر مشتمل ہوتے تھے۔

کرونا کے مشکل حالات میں الخدمت نے خاصا کام کیا مشکل وقت میں ڈونرز کا ریسپانس کیا تھا؟

کرونا کے دوران تو ڈونرز کا جذبہ نہ قابل بیان حد تک زبردست تھا۔ ایک برٹس بین کے پاس ہم نے اپنا نمائندہ بھیجا جب الخدمت کا نمائندہ گیا تو انہوں نے ایک بجک میں رقم دے دی جو ایک کروڑ روپے نقد تھے۔ میں نے سوچا کہ کرونا کے باعث ہیلتھ ایمرجنسی میں بھی ہمیں امداد کی ضرورت ہے تو کیوں نہ میں ان صاحب سے خود بات کروں کہ ہم اس رقم میں سے کچھ ہیلتھ فنڈ میں ڈال دیتے ہیں تاکہ دشمنی لیڈر خرید سکیں اور کچھ نوڈ میں خرچ کر لیتے ہیں۔ میں نے ان صاحب کو خود کال کی اور کہا کہ آپ نے یہ رقم اگرچہ راشن میں عطیہ کی ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس کا نصف ہیلتھ میں استعمال کر لیا جائے۔ انہوں نے میری بات سن کر کہا کہ اپنے بندے کو دوبارہ میرے پاس بھجواد دیجیے۔ میں نے بندہ بھیجا تو ان صاحب نے دوبارہ ایک کروڑ روپے خرید کر لے کر آئے۔ ہمیں ہیلتھ سیکٹر کے لئے بھجوادیا۔

کرونا کے دوران ورکرز کا جذبہ کیسا تھا جب لوگ گھروں میں قید ہو کر اپنی جان کی حفاظت کر رہے تھے؟ ہمارے ورکرز نے جان قبلی پر رکھ کر پہاڑوں، صحراؤں اور دور دراز علاقوں میں ڈیوٹی سر انجام دی۔ ہماری ٹیم اور رضا کاران نے بغیر کسی ہچکچاہٹ دن رات کام کیا اور مستحقین کو راشن، ادویات، علاج کی سہولت اور ہر طرح کی امداد پہنچائی۔

اس سے تم رکھتے ہیں۔ بہت سی دیگر آرگنائزیشنز اور این جی اوز میں یہ تناسب خاصا زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ بچکس یا تیس فیصد تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ ہمارے کم اخراجات کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے ساتھ پروفیشنل ٹیم ممبرز اور رضا کاران، دونوں طرح کے ورکرز کا بہترین توازن ہے۔

آرٹن کیمپن پروگرام کی افادیت کے متعلق کچھ بتائیے۔ آرٹن کیمپن بالخصوص ایک بہت بڑا اور ذمہ داری والا پراجیکٹ ہے۔ آرٹن کیمپن سہولیات میں ہم بچے کی تعلیم کے اخراجات اٹھاتے ہیں، اس کے علاوہ ماں اور بچے کی سالانہ ہیلتھ سکریننگ کروائی جاتی ہے، اگر انہیں علاج کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم اپنے اسپتالوں اور ڈاکٹرز سے ان کا علاج کرواتے ہیں، چاہے اس پر ہمارا خرچ زائد آئے۔

آغوش ہومز کے نظام اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق بتائیے؟

الخدمت آغوش سنٹرز میں صرف یتیم بچوں جن کے والدین کا دستھ سرٹیفکیٹ موجود ہو، انہیں داخل کیا جاتا ہے۔ اور پھر ایک جامع نظام کے تحت انہیں گھر جیسے ماحول میں تعلیم، صحت، تربیت اور زندگی گزارنے کی تمام بہترین سہولتیں دی جاتی ہیں۔ آغوش سنٹر میں ایک بیچے پر ماہانہ 12,000 روپے خرچ آتا ہے۔ اس میں بہترین رہائش، معیاری تعلیمی اداروں میں ایجوکیشن، تین وقت عمدہ کھانا، کھیل اور تفریح کے مواقع، تعلیمی و تفریحی دورے، موسم کے مطابق ضرورت کے سہولیات اور دیگر تمام سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔ پاکستان بھر میں ہمارے نوٹس 6 آغوش سنٹرز اس وقت فعال ہیں۔ الخدمت پراجیکٹس کوورجس چیلنجنگ کون کون سے ہیں؟

نوجوان افراد بڑی تعداد میں ادارے کے ساتھ منسلک ہیں جو وسیع پیمانے پر کوآرڈینیشن کا کام کرتے ہیں۔ آرٹن اور آغوش پروگرامز

اسی طرح دوسرے پروگرامز کے لئے ڈونرز اور وصول کنندگان کے ساتھ رواں دواں آگاہی مہم کرتے ہیں۔ ہم بالخصوص آرٹن کیمپن میں بچوں اور تعلیمی خودداری کے حوالے سے بھی ٹریٹنگ کرتے ہیں تاکہ مجموعی طور پر معاشرے کے لئے مفید شہری تیار کے جا سکیں۔

کیا الخدمت کے پلٹ فارم پر موجود ڈونرز اور سپانسر ڈونرز فیملیز کا بھی رابطہ ممکن ہے؟

بالکل ممکن ہے ہمارے نمائندے دونوں پارٹیز کی سمجھدی اور آسانی دیکھ کر رابطہ کر سکتے ہیں دونوں پارٹیز کو ایک دوسرے کا براہ راست رابطہ نمبر دینے سے گریز کیا جاتا ہے لیکن اگر ملنا چاہیں تو ہم اپنے دفتر میں یا کہیں اور اس کا بندہ دست کر سکتے ہیں۔

ڈونرز اور سپانسر ڈونرز کے حقوق اور ذمہ داریوں کے حوالے سے کوئی پیغام دینا چاہیں؟

ہمارے ساتھ بہت ریکارڈ اور ذمہ دار ڈونرز وابستہ ہیں۔ تاہم آرٹن کیمپن پروگرام بالخصوص اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے ڈونرز مستحکم اپنی ذمہ داری کو نبھائیں۔ ایک پورے سلسلے کے تحت آرٹن بیچے کے ماہانہ خرچ کی ذمہ داری ایک تیز ڈونر کو سونپی جاتی ہے لہذا ضروری ہے کہ پھر وہ اسے سمجھدی سے پورا کرنے کی کوشش کریں اور جب تک ممکن ہو کسی کی امید مت توڑیں۔ صاف پانی کی

ہمارے ساتھ بہت ریکارڈ اور ذمہ دار ڈونرز وابستہ ہیں۔ تاہم آرٹن کیمپن پروگرام بالخصوص اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے ڈونرز مستحکم اپنی ذمہ داری کو نبھائیں۔ ایک پورے سلسلے کے تحت آرٹن بیچے کے ماہانہ خرچ کی ذمہ داری ایک تیز ڈونر کو سونپی جاتی ہے لہذا ضروری ہے کہ پھر وہ اسے سمجھدی سے پورا کرنے کی کوشش کریں اور جب تک ممکن ہو کسی کی امید مت توڑیں۔ صاف پانی کی

ڈونرز دیگر ممالک سے بھی عطیات بھجواتے ہیں مگر پاکستان میں جذبہ قابل قدر ہے

”الخدمت“ جذبوں کے ساتھ رواں دواں

الخدمت فاؤنڈیشن کے مرکزی صدر عبدالشکور کی نئی بات ملاقات

ترتیل کے حوالے سے الخدمت کے منصوبوں پر کچھ روشنی ڈالیے۔ ہم نے تھر سے پانی کی فراہمی کے لئے کوئٹہ بنائے۔ پانی کے پینڈ پمپ لگائے کیونکہ کوئی خاص دیکھ بھال نہیں کرتی اور پینڈ پمپ جیسے پراجیکٹس جلد اپنی افادیت کھو دیتے ہیں۔ ہم نے اس کے لئے نیٹ ورک برقی بجلی۔ ہمارے پاس ایسے پراجیکٹس کی لوکیٹس پر کم از کم تین مقامی افراد کو آڈیٹیشن میں ہوتے ہیں جو ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور ہم سے رابطہ میں بھی رہتے ہیں۔ ہمارے دفاتر مانیٹرنگ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کیونٹی پمپس لگائے جا رہے ہیں۔ سندھ کے علاقے میں ہم نے سو لاکھ لگائے ہیں۔ جس کی بدولت پمپس پورا دن چلتے ہیں اور فصلیں بھی سیراب ہوتی ہیں۔ ہمارا فوکس اس امر پر بھی ہے کہ ہارٹس کے پانی کو جمع کرنے اور واپس زمین میں داخل کرنے پر کام کیا۔ ہارٹس کا پانی پھتوں پر سے زمین میں ڈالنے کے ذریعے زیر زمین پانی کا لیول بڑھایا جا سکتا ہے۔ یہ منصوبہ زیادہ مہنگا بھی نہیں ہوگا۔

ہم نے امریکہ سے یونینیا کے فن میں بہت زبردست مہم چلائی فلاحی کاموں کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت جاری تھا پاکستان آکر خود ایک فلاحی تعلیمی ادارہ شروع کیا

آرٹن کیمپن پروگرام والا پراجیکٹ ہے ہم بچے کی تعلیم کے اخراجات اٹھاتے ہیں اس کے علاوہ ماں اور بچے کی سالانہ ہیلتھ سکریننگ بھی کروائی جاتی ہے

الخدمت کے آرگنائزیشنل اخراجات کیسے پورے کیے جا رہے ہیں اور ڈونرز کا کتنا فیصد ادارے کے اخراجات پر لگا یا جاتا ہے؟ ہم تمام اخراجات کے لئے الخدمت کے کل جمع شدہ فنڈز کا 25 فیصد یا

جس میں ڈونرز پاکستان سے اور بیرون ملک دیگر ممالک سے بھی عطیات بھجواتے ہیں۔ پاکستان میں جذبہ قابل قدر ہے۔

حال ہی میں آپ نے ”آغوش چترال“ کا افتتاح کیا۔ ہمہ وقت الخدمت کے پراجیکٹس کے لئے ہمسرا ہنسک حد تک آسان عمل ہے؟

ہمارے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے جس کا مقصد لوگوں کی خدمت ہے تو ایسے کام کے لئے لوگوں سے ملنا جانا اور ان کے مسائل، ضروریات جاننے کے لئے خود سفر کرنا زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ الخدمت فاؤنڈیشن کے نئے پراجیکٹس کے متعلق کچھ بتائیں۔

جب ڈاکٹر عبدالغفور اور میں نے الخدمت جوائن کی تو اس کا باقاعدہ سٹرکچر نہیں تھا۔ بے شمار کام کے جا رہے تھے لیکن کوئی جامع اور مربوط تنظیم سازی نہ تھی۔ 80% کام بنگالی حالات میں فوری امداد پہنچانے پر مشتمل ہوتے تھے جیسا کہ ڈر سے قدرتی آفات، سیلاب، اے، ڈی، پی، انفرادی

ایل این جی بحران
اگست 2021ء کو حکومت نے قطر پیرولم سے 30 اگست 2021ء
کی ترسیل کے لیے 15.9271 ڈالر فی برٹول ٹریڈ (بی ٹی یو)
اور 31 اگست 2021ء کو 17.86 ڈالر کے ذریعے دوسرے درجے کے

کے مطابق وفاقی حکومت کی طرف سے چینی کی برآمد کی اجازت ملنے کے
بعد صوبہ پنجاب کی کابینہ کی طرف سے شوگر ملز مالکان کے مافیا کو تین ارب
روپے کی جو سبسڈی دی گئی اس کا سب سے بڑا حصہ سپینڈی طور پر جہانگیر خان
ترین کو 56 کروڑ روپے، خسرو بختیار کو 45 کروڑ روپے اور چوہدری

شیخات حسین اور چوہدری پرویز الہی کے علاوہ دیگر سیاسی اور حکومتی
شخصیات بھی ملوث پائی گئیں۔ ان سیاسی شخصیات نے حکومتی فیصلہ سازی
میں اہم کردار ہونے کی وجہ سے پبلے اثر و رسوخ کے ذریعے پنجاب حکومت
سے اپنی شکرگلوں کے لیے

محمد اصغر
مافازی حکمرانی
تحریک انصاف کی



تحریک انصاف کی حکومت کے بدترین 38 ماہ

”قرطاس ابرص“



حکومت
میں سب
سے بڑا

سکیڈل
3
جینی کا بحران
بن کر سامنے آیا جس میں
تحریک انصاف کے مرکزی
سیکرٹری جنرل اور وزیر اعظم
 عمران خان کے دست
 راست اور 2018ء
میں پی ٹی آئی
حکومت بنانے
کے لیے آزاد
اراکین کو پی
ٹی آئی میں
شامل

کرنے
والے
جہانگیر خان
ترین کا نام
سامنے آیا۔
ایف آئی اے
کی تحقیقاتی
رپورٹ
کے مطابق
چینی بحران میں
وفاقی وزیر خسرو
بختیار اور پی ٹی
آئی کے اتحادی
مسلم لیگ ق
کے
چوہدری

مہنگے ترین ریٹ پر ایل این جی خریدی۔ جبکہ حالیہ صورتحال یہ ہے کہ کوئی
نئی کھنی کلکتی اداروں کی جانب سے ایل این جی کے حصول کے لیے
جاری کیے گئے ٹینڈر پر یو ٹی لگانے کے لیے تیار نہیں۔ روزنامہ ڈان کی
رپورٹ کے مطابق جولائی 2021ء کے وسط میں 11 اور 13 ڈالر فی
یونٹ کی کم قیمتوں کی حالت 8 پولیاں حکومت نے منسوخ کر دی تھیں۔ جبکہ
گزشتہ سال 4 ڈالر کے حساب سے ایل این جی کے طویل المدتی معاہدوں
کی پیشکش کو بھی حکومت نے مسترد کر دیا تھا۔ گزشتہ برس کو ونا بحران کے
دوران پیٹرولیم اور توانائی مصنوعات کی قیمتوں میں شدید گراؤت کے
پوش نظر واضح تھا کہ ونا بحران کے خاتمے کے بعد عالمی منڈیوں میں ان
مصنوعات کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ ہوگا۔ اس کے باوجود حکومت اپنی
نااہلی کی بدولت صورتحال کے مطابق پیش بندی کرنے میں ناکام رہی
اور اب 15.9 اور 17.86 ڈالر فی برٹول ٹریڈ (بی ٹی یو) سے
زانہ کے ذریعے مہنگے ترین ریٹ پر ایل این جی خرید کر قومی خزانے کو
100 ارب روپے سے زائد کا نقصان پہنچایا۔

مؤس الہی کو 35 کروڑ روپے ملا۔ اس بحران سے مجموعی
طور پر قومی خزانے کو 184 ارب روپے کا نقصان ہوا۔
آنا گندم بحران

2020ء میں آنا اور گندم کے بحران کے باعث آنے کی
قیمت 70 روپے فی کلوگرام ہوئی۔ وزیر اعظم عمران خان کی
جانب سے ملک میں آنے کے بحران اور اس کے نتیجے میں بڑھنے والی
قیمتوں کی انکوائری کے لیے 22 جنوری 2020ء کو ڈائریکٹر جنرل ایف
آئی اے واجد ضیاء کی سربراہی میں تشکیل دی گئی ایف آئی اے کی کھنی نے
اپنی ابتدائی رپورٹ میں گندم بحران کی وجہ وفاق، پنجاب اور سندھ کی
حکومتوں کی جانب سے گندم کی خریداری میں سستی اور نااہلی کو قرار دیا۔
تحقیقات کے مطابق اس بحران میں وفاقی وزیر خسرو بختیار اور

صوبہ پنجاب کے وزیر خزانہ ہاشم جواں بخت ملوث پائے
گئے بحران کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔
دونوں تاحال وزارتوں پر براہمان ہیں۔ ایف آئی اے
کی تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق نومبر 2019ء تک
1550 روپے فی من فروخت ہونے والی گندم 1950
روپے تک پوری منصوبہ بندی کے ساتھ فروخت کی
گئی۔ جب دسمبر 2019ء میں گندم مارکیٹ
سے غائب ہونا شروع ہو گئی تو حکومت نے گندم
مافیا کے ہاتھوں مجبور ہو کر آنے کی قیمتوں
میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس ضمن میں حکومت
پنجاب نے گندم کی 78 ارب روپے کی
سبسڈی سمیت دیگر ذرائع سے حکومتی گندم مافیا کو
فائدہ پہنچایا اور اس طرح مجموعی طور پر قومی خزانے کو
220 ارب روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔

پٹرول بحران
2020ء میں عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں میں کمی کے سبب
اوگرانے پاکستان میں پٹرول کی قیمتوں میں 7 روپے فی
لٹر کمی کر دی مگر حکومت کی نااہلی کے باعث پیٹرول مافیا
نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ 3 پیٹھ ملک میں
پٹرول کی مصنوعی قلت پیدا کر دی۔ وزیر اعظم عمران خان کے
نوٹس لینے کے نتیجے میں بحران مزید سنگین ہو گیا۔ بالآخر حکومت نے
پٹرول مافیا کے سامنے گھٹنے ٹیکنے ہوئے پٹرول کی قیمتوں میں 25.58
روپے فی لٹر کا اضافہ کر دیا جس کے بعد چند ہی گھنٹوں میں پٹرول کی سپلائی
معمول پر آ گئی۔ 3 ہفتوں کے دوران پوری قوم اور قومی خزانے کو مجموعی
طور پر 25 ارب روپے کا نقصان پہنچا۔ اس بحران نے تحریک انصاف کی
قابلیت اور گورننس کی حق بحال دی۔



غائب کر کے
کی قلت پیدا کر کے
چینی مارکیٹ میں فروخت کی اور عوام سے
ناجائز منافع کمایا۔ حکومتی
چینی مارکیٹ میں فروخت کی اور عوام سے
ناجائز منافع کمایا۔ حکومتی
آشیر باد اور موثر انتظامی و احتسابی عمل نہ ہونے کی وجہ سے چینی کی قیمت
56 روپے سے بڑھ کر 110 روپے فی کلوگرام تک جا پہنچی۔ تحقیقات

ایف آئی اے کی کھنی نے اپنی ابتدائی
رپورٹ میں گندم بحران کی وجہ وفاق، پنجاب
اور سندھ کی حکومتوں کی جانب سے گندم کی
خریداری میں سستی اور نااہلی کو قرار دیا

شوگر ملز مافیا کو تین ارب روپے کی سبسڈی
دی گئی سب سے بڑا حصہ جہانگیر خان ترین
کو 56 کروڑ، خسرو بختیار کو 45 کروڑ اور
چوہدری مؤس الہی کو 35 کروڑ ملا

ادویات مہنگی بھت عامر تاجہ
وفاقی حکومت نے 3 سال میں ادویات کی قیمتوں میں 12 مرتبہ
اضافہ کیا۔ ادویات ساز کمپنیوں کے ناجائز منافع میں اربوں روپے کا اضافہ
کیا۔ سپینڈی طور پر ملوث وفاقی وزیر صحت کو اربوں روپے کی کرپشن پر بھی گرفتار
نہیں کیا گیا۔ تحریک انصاف حکومت نے سرکاری ہسپتالوں میں اہم امراض
کے مفت علاج کا خاتمہ کر دیا۔ سندھ کے ہسپتالوں میں سکنے کے کالے کی
ویکسین کی عدم فراہمی کی وجہ سے بلائوں کا تسلسل جاری رہا۔ ناقص منصوبہ

بندی ملک میں کورونا وائرس کے بڑے پیمانے پر پھیلنے کی وجہ سے۔
پرائمری و ثانوی تعلیمی نظام پر باؤ
کورونا ہائے کے دوران خاص تعلیمی حکمت عملی کے تحت تعلیمی ادارے بند،
تعلیمی نظام پر باؤ طلبہ و طالبات زل گئے۔ استحقاقات کے بغیر آگے جماعت میں

اسٹیل مل کی طرح ریلوے بند ہو جائے گی۔ پی ٹی آئی حکومت کے 3 سالہ
دور میں مسافر ٹرینوں کی تعداد بڑھنے کی بجائے کم ہو گئی۔ 57 مسافر
ٹرینیں بند، صرف 85 ٹرینیں چل رہی ہیں۔ ان میں سے 70 ٹرینیں ٹی
شعبے کے اشتراک سے چلانے کے لیے ٹینڈر جاری کیے جا چکے ہیں تاہم یہ

ہارنے پر جرمانوں اور نیب کے وکیل کی فیس کی مد میں قومی خزانے کو
7.18 ارب روپے کا نقصان پہنچایا اور حاصل حصول کچھ نہیں ہوا۔
انتساب کی بجائے
آئی اے

جماعت اسلامی کی طرف سے جاری کردہ حکومت کے خلاف چارج شیڈ

پیٹرول مافیا نے منصوبہ بندی کے ساتھ
3 ہفتے ملک میں پیٹرول کی مصنوعی قلت پیدا
کردی وزیر اعظم عمران خان کے ٹولس لینے
کے نتیجے میں عمران مزید سنگین ہو گیا



ترقی سے پورے نظام تعلیم کو ہلکوک بنا دیا۔ حکومت پر انیویٹ تعلیمی اداروں
کی اجارہ داری اور فیسوں میں اضافہ کا خاتمہ نہ کروا سکی۔ مدارس اور ان
کے نصاب کی بہتری کے دعوے کو کھٹکتے ثابت ہوئے۔ نجی اسکولوں کے نصاب
اور گراہنہ نصابی مواد کی حامل 100 سے زائد کتب پر پابندی لگانے والے
ایم ڈی پنجاب گیسٹ بک بورڈ کو ہمد سے برطرف کر دیا گیا۔
خواتین نیچے جرائد اور تعدادی قلت کا شکار

حکومت کی بدترین گورننس کی وجہ سے اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں
خواتین کے ریپ اور قتل کی ریزہ ریزہ وارداتیں ہو رہی ہیں۔ خواتین اور بچوں
کے ریپ کیسز میں ریکارڈ اضافہ ہوا۔ ملک میں 40 فیصد تعلیم یافتہ خواتین
روزگار سے محروم ہیں جبکہ حکومت نے خواتین کے لیے کوئی بڑا ادارہ قائم نہیں
کیا۔ خواتین کے عالمی دن پر اسلامی شعائر اور خاندانی نظام کی کھلے عام توہین
پر حکومت کی جہرمان خاموشی برقرار رہی۔ پہلی مرتبہ میراجم میری مرضی کے
نعرے لگے۔ قوم متحدہ کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کی ساڑھے تین کروڑ

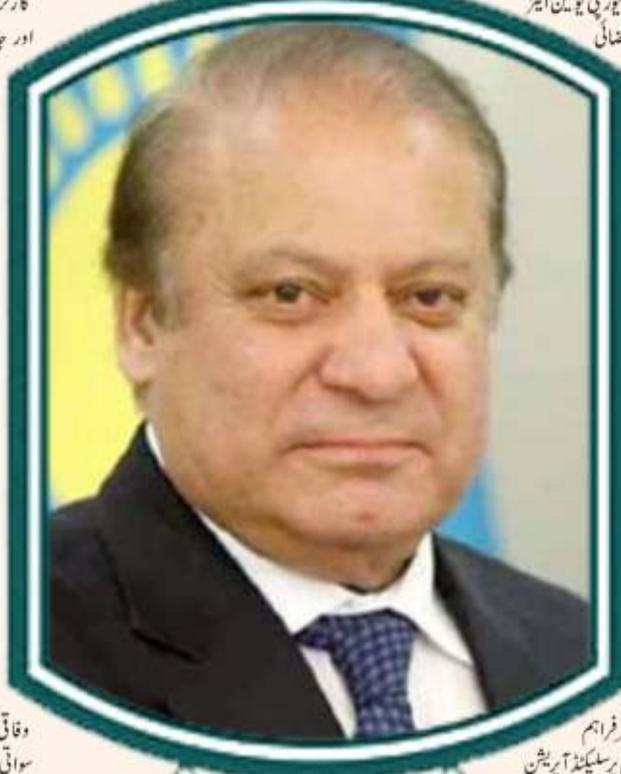
وزیر اعظم نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی
رہائی کا معاملہ امریکی صدر کے سامنے اٹھانے
سے گریز کیا عمران خان اپوزیشن میں رہتے
ہوئے ہمیشہ اس کے پرچار رک رہے

حکومت نے نیب کے خلاف برطانوی
عدالت میں براڈ شیڈ کیس ہارنے پر جرمانوں
نیب وکیل کی فیس کی مد میں قومی خزانے کو
7.18 ارب روپے کا نقصان پہنچایا

آبادی تعدادی قلت کا شکار ہے جس میں زیادہ تعداد خواتین اور بچوں کی ہے۔
پاکستان ریلوے نہا
موجودہ حکومت میں پاکستان ریلوے کا سالانہ خسارہ 40 ارب روپے
سے بڑھ گیا ہے۔ پی ٹی آئی کے 3 سالہ دور اقتدار کے دوران مسافر ٹرین
کے 373 چھوٹے بڑے حادثات ہوئے جن میں سے 8 بڑے حادثات
میں مسافروں اور ریلوے عملہ کی 181 قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ وفاقی
وزیر ریلوے اعظم سواتی نے 19 دسمبر 2021 کو بیان جاری کیا کہ حکومت
ساری ریلوے کو ٹیکس چارج، کچھ حصے آؤٹ سورس کرنا پڑیں گے، وگرنہ

عمل بھی سست روی کا شکار ہے۔
پی ٹی آئی اسے خسارے کا شکار
22 مئی 2020ء کو کراچی آنے والا قومی ایئر
لائن کا طیارہ نی کے 8303 جناح انٹرنیشنل ایئر پورٹ
کے قریب آبادی پر گر کر تباہ ہوا جس میں 197 افراد جاں بحق
ہوئے۔ حادثے میں 21 گھر تباہ جبکہ ساڑھے 4 کروڑ روپے سے زیادہ
کا نقصان ہوا۔ ابتدائی تحقیقاتی رپورٹ میں طیارہ حادثہ کو "انسانی غلطی"
قرار دیا گیا جبکہ وفاقی وزیر ہوا بازی نظام سرور خان نے انکشاف کیا کہ پی
آئی اے کے 860 پائلٹوں میں سے 262 پائلٹوں (تقریباً 30 فیصد)
کی ڈگریاں اور لائسنس جعلی ہیں۔ اس انکشاف کے بعد پورے یونین ایئر
سیفٹی ایجنسی نے پی ٹی آئی اے کے یورپی ممالک کیلئے فضائی
آپریٹرز کے اجازت نامے کو سب مہ ماہ کیلئے معطل کر دیا۔
ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی سے انکار

وزیر اعظم نے دورہ امریکہ کے دوران ڈاکٹر عافیہ
صدیقی کی رہائی کا معاملہ امریکی صدر کے سامنے اٹھانے
سے گریز کیا۔ عمران خان اپوزیشن میں رہتے ہوئے
ہمیشہ اس کے پرچار رک رہے۔
ایک کروڑ ملازمتوں کا وعدہ
وزیر اطلاعات نواز چوہدری نے کہا کہ عوام
حکومت سے روزگار نہ مانگے۔ روزگار دینا
حکومت کا نہیں بلکہ نجی شعبے کا کام
ہے۔ پاکستان اسٹیل ملز سے 4500 سے
زائد ملازمین کو فارغ کیا گیا۔ پی ٹی آئی اے
سے 2000 ملازمین کو سکدش یا ریٹائر
کر دیا۔ چنانچہ یہ سیکٹر میں بے جا مداخلت کر کے سرمایہ
کاروں کو اس قدر ہراساں کیا گیا ہے کہ وہ کسی شعبہ میں
سرمایہ کاری کرنے کے لیے تیار نہیں۔ نجی سرمایہ کاروں نے
پاکستان سے سرمایہ منتقل کر لیا۔
پچاس لاکھ مکانات کی تعمیر کا وعدہ
نیٹھرا انیکیم کے ذریعے محدود پیمانے پر مجھے مکانوں
کی تعمیر کے باوجود کسی فریب کو منٹ مکان نہ مل سکا۔ گھر فراہم
کرنے کی بجائے پی ٹی آئی حکومت نے تجاوزات کے نام پر سلیکٹڈ آرپیشن
کے ذریعے فریبوں کے گھر مسار کردیے جبکہ سیکٹروں کو کاروبار سے محروم
کر دیا لیکن خود وزیر اعظم عمران خان نے اپنی ذاتی رہائش گاہ کی تعمیر
قانونی تعمیرات کو معمولی جرمانہ ادا کر کے راتوں رات قانونی حیثیت دلا دی۔
نیب ایک سفید پتھی
حکومت نے نیب کے خلاف برطانیہ کی عدالت میں براڈ شیڈ کیس



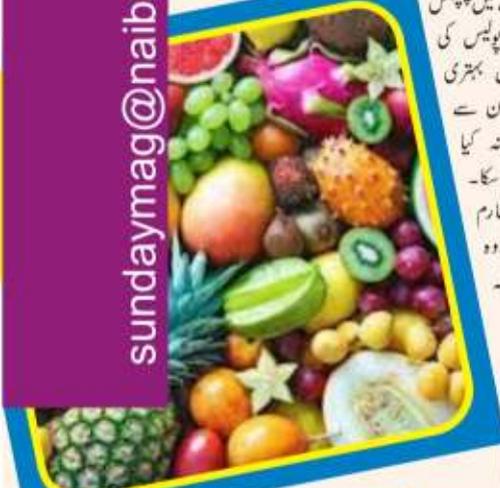
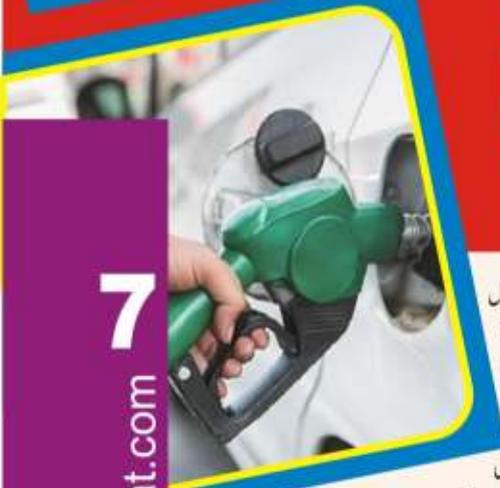
3 سال
میں 7
آئی جی
تبدیل
کیے

گئے۔ آئی جی
سید کی تعیناتی پر دفاع اور
صوبائی حکومت میں چپقلش
جاری رہی۔ پولیس کی
کارکردگی میں بہتری
اور جدید سامان سے
لیس نہ کیا
جا سکا۔
یونینٹارم
کے علاوہ
محلہ

پولیس میں
کوئی بدلاؤ نہ
لا یا جا سکا۔ خاور
مانیکا کیس میں
پہند و تا پسند کی
بنیاد پر ایس بی
رٹوان
گوندل اور
وفاقی وزیر اعظم
سواتی کیس میں
آئی جی اسلام
آباد کی بے جا
ٹرانسفر کی
گئی۔

مقدمہ مکمل
اس کے اختیارات میں
کی لائے اور موجودہ حکومت کے وزراء
کو انتساب سے بچانے کے لیے نیب قوانین میں ترمیم کا آرڈیننس جاری
کر کے زیر التوا مقدمات ختم کرنے اور آنے والے مقدمات سے بچنے کے

7
sundaymag@naibaat.com



نام بھی لسانہ
معیار بھی لسانہ

www.lasaniindustries.com

DRAP Enlistment #
6-00873
Form-7-0873620232

C.R # 6245
T.M # 205740

ڈاٹ میکسو
سیرپ

قاری بھی دستیاب ہے

120ml (Approx.)
Dy-mexo T.M SYRUP

حلال HALAL

Supplement for healthy GI tract, indigestion and bloating

Herbal-Unani Product

خوش ذائقہ اور نج ٹیسٹ کے ساتھ
بدھضمی، گیس اور نظام ہضم
کی اصلاح کے لئے

AL-HAMRA

HALAL ISO 9001:2015 ISO 14001:2015 ISO 45001

اہتمام و تحریر: سرمدہ انصاری
ماڈل: بسملہ راجپوت
ڈیزائنر: انابہ ویٹر
میک اپ: صنوبہ سلوان
فوٹو گرافی: ذیشان

دوپٹہ کیا رکھ لیا اس کملی نے سر پر
ہائے وہ مجھے دہن سے نظر آنے لگی



شادیوں کا سیزن آج کل اپنے عروج پر ہے، رنگ، ڈیزائن، فیشن میں کون سا پہناؤ ”ان“ اور کیا بنا ہے ٹاپ ٹرینڈ۔ لہنگا پہنا جائے غرارہ، شرارہ، میکی یا ٹیل والا فراک، بھاری بھرکا ام اور ڈائمنڈ ٹیڑورک، جن میں کہیں کہیں تلے اور دیکے کا کام بھی شامل گہرے اور ہلکے رنگ دونوں سے فیشن میں ان کوئی پسند کے مطابق چاہتا ہے جو اس گلرز کو کوئی شوخ و چمکیل پہناوے مگر دور جدید کی سب سے اچھی بات جو بھی پہن لیا جائے وہی بن جاتا ہے فیشن۔ تاہم سرخ، بیرون یا گہرے رنگ زیب تن کر کے انوکھا روپ دہن پر آتا ہے اور وہ چاند ہی طرح روشنی بھرنے اور چمکنے لگتی ہے مگر ہلکے رنگ بھی دہنیں اپنی شخصیت کے مطابق پہن رہی ہیں تاکہ وہ ڈیڈنٹ نظر آئیں دور جدید میں ڈیزائنرز نے دہن بننے والی لڑکیوں کو کافی پوائس اور کلمیشن بتادی ہے۔

قاسم علی شاہد

کلاسیکی موسیقی کی تاریخ میں دوسرا کوئی گائیک ایسا نہیں گزرا جسے اس قدر چاہا گیا ہو۔ استاد امانت علی خان بنیادی طور پر کلاسیکی گویے تھے مگر جب ہلکی پھلکی موسیقی کی جانب آئے تو انہیں پاپ ستارہ سے بھی زیادہ شہرت ملی۔ امانت علی خان کو اپنی زندگی میں ملنے والی شہرت اور موت دونوں اساطیری روپ دھار گئی تھیں۔ ابن انشا کی غزل انکشافی اظہاب کو چھ کر وہ اس شہر میں جی کو لگا نا کیا گانے کے بعد وہ اس دنیا سے چلے گئے تو ان کی موت لوک داستان کا روپ اختیار کر گئی۔ ان کے چاہنے والے یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ پر پیاں اور لہرا لہریں ان پر عاشق کو چاہا کرتی تھیں۔ استاد

پہناوا، شکل و شبابت اور عادات راجہ مہاراجاؤں کی طرح تھیں۔ استاد امانت علی خان خوش مزاج انسان تھے بات کرتے تو لطیفہ بن جایا کرتا تھا۔ استاد حامد علی خان بتاتے ہیں کہ استاد امانت علی خان اور استاد فتح علی خان مہاراجہ پٹیالہ کے گل میں باقاعدگی سے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگے تھے، انہیں دربار سے ہر ماہ وظیفے کے ساتھ دیگر مراعات بھی مل رہی تھیں لیکن قیام پاکستان کے وقت یہ سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔ لاہور میں ہمارا خاندان بازار حسن سے ملحقہ شاہی قلعہ اور بادشاہی مسجد کے پہلو میں آباد ہوا۔ استاد امانت فتح علی کی جوڑی کو سنہ 1969 میں پرائمڈ آف پرفارمنس دیا گیا۔ اس جوڑی کے بعد استاد حامد علی خان، استاد امانت علی خان اور شفقت امانت علی خان کو بھی یہ اعزاز دیا گیا۔ یوں پٹیالہ گھرانے کو پانچ

کیا استاد امانت علی خان کے سامعین میں جنات آتے تھے؟

استاد امانت علی خان کو

بھارتی نواز اعظم نے بھی سنا

بقول استاد جلد خان ہمارے بزرگوار سمیت جنات اور پر پیاں عاشق تھیں

امانت کی حسین زندگی میں ایسے لمحات بھی آئے جب انہیں محسوس ہوا کہ ان کے سامعین جنات اور پر پیاں ہیں۔ آنکھ کھولی تو وہاں کوئی نہ تھا استاد امانت نے اپنے متعلق ایک بڑا سراہا تھے کا حال ایک ریڈیو انٹرویو میں کچھ یوں سنایا تھا کہ انڈین ناغاب کے شہر پٹیالہ میں وہ راج محل کے قریب شیر نولہ گیت میں واقع ایک حویلی میں رہائش پذیر تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ آٹھ یا نو برس کے ہوں گے۔ وہ بتاتے تھے کہ رات کا کھینچا پتھر تھا اور وہ راگ مالکھن کا ریاض کرتے کرتے تھک کر سوتانے لگے۔ ان کی آنکھیاں تان پور سے پر تھیں اور آنکھیں بند تھیں کہ چانک ان کے کان میں اس گانے کی ایک آواز آئی جو وہ پہلے سے گا رہے تھے۔ میں یہ سمجھا چھوٹا بھائی فتح علی میرے ساتھ ریاض میں بیٹھتا ہوں

شامل ہو گیا ہے کہ بڑا بھائی گا رہا ہے تو میں بھی اس کا ساتھ دوں۔ میں حیران ہوں ہا تھا کہ فتح علی آج بہت عمدہ گارہا ہے۔ میں آنکھیں بند کر کے راگ کے سڑوں کو جاگیر رہا تھا کہ چانک وہ غانگی آواز گندھار (گا) سے نیچے جان لے کر آتی۔ وہ تان اس قدر تیز طراز اور خوبصورت تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

انہوں نے مزید بتایا کہ مجھے یوں لگا جیسے مجھ پر جادو چل گیا ہو۔ واہ واہ واہ واہ کے میں اٹھا تو دیکھا کہ ہاں کوئی نہیں تھا۔ میں چونکہ بچہ تھا اس لیے بہت ڈر گیا، میں وہاں سے چلتے ہوئے بھاگا اور ابا کے کمرے میں آیا اور انہیں جلدی سے یہ ماجرا سنایا۔ وہ مجھے لے کر وہیں ریاض والے کمرے میں واپس پہنچے اور مجھے تسلی دی کہ میں اسی طرح گاتا رہوں، مجھے کچھ نہیں ہو گا، میں بہت ڈرا ہوا تھا مگر والد صاحب کی موجودگی میں، میں نے اسی طرح مالکھن راگ دوبارہ گانا شروع کیا لیکن وہ آواز دوبارہ نہ آئی اور پھر ساری زندگی نہ آئی۔ استاد امانت کے چھوٹے بھائی استاد حامد علی خان کا کہنا ہے کہ ممکن ہے وہ ہمارے دادا استاد علی بخش جرنیل خان کی روح

پرائمڈ آف آرٹس ہونے کا منفرد اعزاز بھی حاصل ہے۔ استاد حامد علی خان نے بتایا کہ

ہمارے بزرگ پٹیالہ میں رہتے تھے لیکن جب پاکستان بن گیا تو یہ ہمارا وطن ہوا۔ استاد امانت علی خان، فتح علی خان کو بھی کہا گیا کہ انڈیا آ جائیں اور اپنی ساری جاگیریں واپس لے لیں لیکن وہ نہیں گئے اور وہیں اسی ٹہنی میں دفن ہوئے۔

مجھے اور استاد امانت علی کو اندرا گاندھی اور اوچائی نے علیحدہ علیحدہ مجالس میں سنا۔ اوچائی نے ہم دونوں کو پیشکش کی کہ ہم پٹیالہ واپس آ جائیں تو ہمیں ہماری ساری جاگیریں واپس دینے کے ساتھ اور بھی مراعات دی جائیں گی۔ یہ خبر انڈیا میں شائع کر دی گئی تو ہر طرف شور مچ گیا۔ اس پر

ہو جنہیں اسرارے بندر لارڈ جمز برون نے جرنیل خان اور ان کے جوڑی دار استاد فتح علی خان کو کرنل خان کا لقب دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا گھرانہ پٹیالہ ہے اور ہمارے خاندان کے جید اجداد میرے پردادا استاد میاں گل خان تھے جنہوں نے آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے درباری گویے میر قتب بخش تان رس خان سے استفادہ کیا تھا۔ استاد حامد نے کہا کہ یہ روایات موجود ہیں کہ ہمارے بزرگوں سمیت دوسرے بڑے گانے والوں کو بھی جنات اور پر پیاں نے سنا اور ان پر عاشق ہو گئیں۔

انہوں نے کہا کہ استاد امانت جیسا وجیہ اور خوبصورت مرد میں نے نہیں دیکھا۔ میں یہ اس لیے نہیں کہہ رہا کہ وہ میرے بھائی تھے، ان کا گانا،



اپنے راگ کے تعارف اور پھیلاؤ تک کی مختلف منازل کا نام ہے، جسے گویا مختلف الاپوں اور ارادوں سے ظاہر کرتا ہے جبکہ استاد فتح علی خان دھرت کیا کرتے تھے۔ پٹیالہ گھرانے کا یہ اعزاز ہے کہ ہر مہینے کے ممتاز اور بڑے گانے والوں کا حلقہ اس خاندان سے رہا جیسا کہ استاد بڑے غلام علی خان، استاد برکت علی خان، استاد مبارک علی خان، ملکہ ترنم نور جہاں، محمد رفیع، فرید و خانم، غلام علی، استاد فتح علی خان، استاد حامد علی خان، استاد امانت علی خان اور شفقت امانت علی خان سمیت دیگر شامل رہے ہیں۔ استاد امانت علی خان کے گانے ملی نغمے نصف صدی گزر جانے کے بعد آج بھی مقبول ہیں۔ اسے وطن پیارے وطن، استاد امانت کا گایا یہ گیت آدھی صدی بعد بھی فضا ر خون تیز کر دیتا ہے۔

”ہونٹوں پہ بھی ان کے میرا نام بھی آئے“ اور اجعفری کی یہ غزل استاد امانت کے ہونٹوں پر آئی تو اساطیری موسیقی کی شکل اختیار کر گئی۔ اس کے علاوہ آ میرے پیار کی خوشبو، پیانا آئے، پھول پھول نے لی انگریزی، میری داستان حسرت و دسنانا کے دسے، موسم بدلات گدرائی، اہل جنوں نے لی انگریزی اور انشا جی، اظہاب کوچ کرو، اس شہر میں جی کو لگا نا کیا استاد امانت علی خان کی گائی ایسی غزلیں ہیں جنہیں پاکستان کا قومی نغمہ قرار دیا جاتا ہے۔

استاد امانت علی خان مہاراجہ پٹیالہ کے محل میں فن کا مظاہرہ کرنے لگے تھے ہر ماہ وظیفہ و مراعات مل رہی تھیں قیام پاکستان کے وقت سب چھوڑ کر پاکستان آ گئے

استاد امانت بنیادی طور پر خیال گائیکی اور مہر کی گائیک تھے۔ پچاس کی دہائی میں استاد برکت علی خان اور اعجاز مہر کی کے بعد جب غزل گائیکی میں مہدی حسن کا نام ہوا تو کلاسیکی موسیقی سے وابستہ فنکاروں نے غزل گائیکی کو اپنانے میں عارضہ محسوس کی۔ مہدی حسن سے قبل کلاسیکی موسیقی سے وابستہ خاں صاحبان غزل گائیکی کو فنی طور پر توجیہ اور بڑا کام خیال نہیں کرتے تھے۔ نایاب علی خان کہتے ہیں کہ میرے تاپا استاد امانت علی خان تو خیال گائیکی اور مہر کی گاتے تھے، ان کی ایک بہت بڑے غزل گائیک سے بحث ہو گئی تھی جس نے شراب کے نشے میں استاد امانت کو طوطہ دیا تھا کہ غزل گائیکی بہت بڑا اور مشکل فن ہے۔ اس پر استاد امانت خان نے کہا تھا کہ میں کلاسیکل گویا ہوں راگ کا تاپا ہوں غزل گانے کے لیے مجھے میرے مقام سے نیچے آنا ہوگا۔

گرام دے دی کہ انڈیا میں شور مچ گیا ہے کہ پٹیالہ گھرانہ پاکستان چھوڑ کر دو بارہ انڈیا واپس آ رہا ہے۔ استاد فتح علی نے یہ سنا تو ہم پر بڑے سخت ہونے، جب ہم نے انہیں ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے بتایا آپ کی طرح ہمیں بھی پیشکش ہوئی ہے لیکن ہم



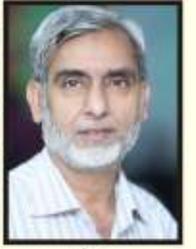
واپس پاکستان آ رہے ہیں۔ استاد حامد علی خان نے کہا کہ میرا جوڑی دار استاد امانت علی خان دنیا سے چلا گیا ہے، ہم نے بھی جانا ہے لیکن ہمارے تربیت بھی اسی دھرتی میں ہے جی جس کا نام پاکستان ہے اور یہ نام رگوں میں جاری خون کے ساتھ رہنا چاہتا ہوا ہے۔

پٹیالہ گھرانے کے جواں سال گائیک نایاب حامد علی خان نے استاد امانت اور استاد فتح کی جوڑی اور ان کی گائیکی کی تکنیک سے متعلق بتایا کہ استاد امانت راگ کا آغاز اور تعارف کراتے ہوئے ولہت کرتے تھے۔



ہمارے بزرگ پٹیالہ میں رہتے تھے لیکن جب پاکستان بن گیا تو یہ ہمارا وطن ہوا۔ استاد امانت علی خان، فتح علی خان کو بھی کہا گیا کہ انڈیا آ جائیں اور اپنی ساری جاگیریں واپس لے لیں لیکن وہ نہیں گئے اور وہیں اسی ٹہنی میں دفن ہوئے۔

مجھے اور استاد امانت علی کو اندرا گاندھی اور اوچائی نے علیحدہ علیحدہ مجالس میں سنا۔ اوچائی نے ہم دونوں کو پیشکش کی کہ ہم پٹیالہ واپس آ جائیں تو ہمیں ہماری ساری جاگیریں واپس دینے کے ساتھ اور بھی مراعات دی جائیں گی۔ یہ خبر انڈیا میں شائع کر دی گئی تو ہر طرف شور مچ گیا۔ اس پر



رضاشعل

بچپن سے ایک گالی اور ایک بات سنتے آ رہے ہیں اور دیکھا جائے تو یہ گالی اور بات ایک عادت سی بن گئی ہے الو اور ”الو کا پٹھا“۔۔۔ آپ غصے میں ہیں یا محبت بھرے ماحول میں ہیں آپ کے سامنے جو بھی ہے اس کی کسی ایک غلط بات یا کام پر ”الو“ ایک غلطی فتنہ بن گیا ہے اس حوالے سے ایک شعر بہت سا کرتے تھے

ہر شاخ پہ آلو بیٹھا ہے
انجام گلستاں کیا ہو گا

یہ شعر آج کے حالات آج کے ماحول اور آج کی زندگی میں بڑا فٹ دکھائی دیتا ہے جس طرح کی حکومت چل رہی ہے جس طرح کے حالات ہیں اور جس طرح سمس چلائے جا رہے ہیں کیا بہتری کی گنجائش نظر آتی ہے یاں گڑ بڑ کی خبریں آنا شروع ہو جاتی ہیں تو فوراً ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ کیا کر رہا ہے، آلو کے پٹھے، یہ کدھر جا رہے ہیں، کہا جاتا ہے کہ دلی اور کھٹو والوں کے درمیان ٹوک جھونک چلتی رہتی تھی، دونوں گھنٹے تھے کہ وہ زیادہ اٹھی اردو بولتے ہیں اور زیادہ اٹھے شاعر ہیں، ایک دوسرے کو مسخیرے سمجھتے کہ اس پر کدھر لگائیں۔ دلی والے اپنی نازک خیالی کے لیے بھی مشہور تھے۔ ایک بار دلی والوں نے مصرع بھیجا ”گ گل سے بلبل کے پر ہا مہرستے ہیں“ کھٹو والوں نے گدہ لگا کر داہن کیا اس طرح اس عمارت سے کہ کئی صدیاں پرانا بھی کہا جا سکتا ہے، آلو اللہ کی ہے شاعر مخلوق میں سے ایک ہے جو اپنی دیو مالائی اہمیت کے ساتھ ساتھ اپنی محبت کے حوالے سے بھی مشہور ہے، اسی لیے کسی شخص کو بھی تعظیمی کرنے پر

اسے آلو کے لقب سے نوازا دیا جاتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ کسی کو آلو تعظیمی بیوقوف بنا دیا جاتا ہے، یاد رہے کہ کسی کو کمتر یا بیوقوف کہنے کے لیے اس پرندے کا نام کیوں لیا جاتا ہے؟ حالانکہ انسانی نفسیات میں یہ بات شامل ہے کہ بڑی آنکھوں والا اور بڑے سرد والا انسان ذہین سمجھا جاتا ہے، لیکن آلو کی آنکھیں بھی بڑی ہوتی ہیں اور سر بھی بڑا ہوتا ہے، پھر بھی بیوقوف لوگوں کی مثال اکثر آلو سے ہی دی جاتی ہے۔

عام طور سے عوام آلو کو تنہا پرندہ کہا جاتا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آلو صرف سامنے دیکھ سکتا ہے، دائیں بائیں نہیں، لیکن 270 ڈگری تک اپنی گردن گھما کر ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر چاروں اطراف دیکھ سکتا ہے، اس کے پروں اور سر پر بھورے رنگ کے دھبے ہوتے ہیں، چرسے کی بناوٹ گولائی دل کے شکل کی ہی ہوتی ہے جو بھورے رنگ کے بارڈر سے گھری ہوتی ہے، بارڈر سے گہرا حصہ سفید ہوتا ہے، اس کے پروں کی رنگت پیلا پن لیے ہوئے یا بھورے رنگ کے ہوتے ہیں، مادہ کے جسم پر دھبے کچھ زیادہ ہوتے ہیں، بچہ قدرے بڑے اور پروں سے ڈھکے ہوتے ہیں، شکاری پرندہ ہونے کی وجہ سے آلو کے پٹھے اور ناخن

بڑے مضبوط ہوتے ہیں، پروں کا پھیلاؤ تین فٹ سے زائد ہوتا ہے وزن 480 گرام تک ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مادہ نرکی نسبت کچھ زیادہ بھاری ہوتی ہے۔ اس طرح کے آلو 16 قسم کے ہوتے ہیں ان میں سے صرف تین قسمیں ہی برصغیر میں پائی جاتی ہیں، آلوں کا چہرہ گول و بڑا ہوتا ہے، دم چھوٹی ہوتی ہے آلو کے پر دھبے دار ہونے کی وجہ سے بڑے شکاری پرندوں، باز

الوسیدھا کرنا، الوبنانا، الوبینا، کاٹھکا الو الو کی ہوشیاری، الو کا پٹھا وغیرہ وغیرہ ہر شاخ پہ الوبیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا

اندھیرے میں اپنے شکاری کیلکی سی آواز سے سمٹ کا اندازہ لگا کر اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ ان کے نپے خاص قسم کے ہوتے ہیں جس میں چار نو کیلی انگلیاں دو آگے اور دو پیچھے کی جانب ہوتی ہیں۔ ضرورت پڑنے پر پیچھے والی انگلیوں میں سے ایک کو گھما کر آگے کی جانب کیا جا سکتا ہے۔ ان کی چونچ دیگر گوشت خور پرندوں کی طرح نو کیلی اور نیچے ہوتی ہے، پروں سے ڈھکی ہونے کی وجہ سے چھوٹی دکھائی دیتی ہے۔

مخلف ممالک میں آلو سے متعلق کچھ دلچسپ باتیں، برطانیہ میں آلو کے بولنے یا اس کے رونے

وغیرہ کی نظر ان پر جلدی نہیں پڑتی، آلو اپنے سے چھوٹوں پرندوں جانوروں کا شکار کرتا ہے اور خود کو بچاتا ہے، چوہ، گھبراہٹ، خرگوش، چڑیاں، کیڑے سگڑے وغیرہ فصلوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ آلو ان کو اپنی خوراک بنا کر کروڑوں کا تاج بچاتا ہے اور لوگوں کی مالی مدد کرتا ہے، اس لیے آلو کسانوں کا دوست کہلاتا ہے، آلو چھوٹے شکار کو پورا پورا نگل جاتا ہے اور بڑے شکار کو ٹکڑے کر کے کھاتا ہے، عام طور سے آلو اپنا گھونسلہ بیڑوں کے کھوہ میں بناتے ہیں، جو زمین سے قریب یا زمین کی اوچائی پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گھنڈر یا دیوان عمارتوں، ٹوکوں میں بھی گھونسلہ بناتے ہیں۔ اس کے جسم کے پردے پر پرندوں کی نسبت بہت جگے اور ملائم ہوتے ہیں اور اسی لیے جب یہ آڑتا ہے تو اس کے اڑنے کی آواز بالکل نہیں ہوتی اور یہ آسانی سے اپنے شکار پر بھج سکتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پندرہ سے تیس ہزار سال پہلے آلوں کا رشتہ انسانوں کے ساتھ قائم ہو چکا تھا آلوں کی قوت سماعت بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن ان کے کان دکھائی نہیں دیتے کیونکہ وہ آنکھوں کے پیچھے پروں کے گچھے میں چھپے ہوتے ہیں۔

نی کلور وخت ہو رہا ہے، چینی 120 روپے فی کلو ہو گئی ہے، بہمن 150 روپے فی کلو ہو چکا ہے زندگی میں پہلی بار اردک 1000 رو سے تک بک رہا، ایل پی جی سلنڈر کی قیمت میں 30 فیصد اضافہ ہوا ہے گھی اور آٹے کی قیمتوں نے تو پتہ تو بکرادی حکومت مکمل طور پر ٹیکس ہو چکی ہے، وزیر اعظم اور وزراء اپوزیشن کے پیچھے لگے ہیں، حکومت عوام دشمن پالیسیاں بنا رہی ہے، وزیر اعظم عمران خان نے ری سی کراپٹی تقریریں نکال دی جس میں کہا گیا کہ ڈالر کی کمی کی وجہ سے آئی ایم ایف جانا پڑا ایک سال ملک کو مستحکم کرتے رہے، پھر کروڑ آ گیا، کروڑا کے دوران لاک ڈاؤن میں ٹیکسٹریاں بند ہونے سے معیشت تباہ ہونے جاری تھی ہم نے دباؤ برداشت کیا اور سارٹ لاک ڈاؤن سے مزبور طے ہو گیا۔

پاکستان میں مہنگائی 9 فیصد، ترکی میں مہنگائی 19 فیصد بڑھی جب

بڑی آنکھوں اور بڑے سردالے انسان کو ذہین سمجھا جاتا ہے آلو کی آنکھیں اور سر دونوں بڑے ہوتے ہیں پھر بھی بیوقوف لوگوں کی مثال اکثر آلو سے دی جاتی ہے

آلو کروڑوں کا تاج بچا کر لوگوں کی مالی مدد کرتا ہے آلو کسانوں کا دوست کہلاتا ہے یہ چھوٹے شکار کو پورا نگل جاتا ہے اور بڑے شکار کو ٹکڑے کر کے کھاتا ہے

تحریک انصاف حکومت کے تین سال کے دوران ملک میں مہنگائی کا ایک نیا طوفان آیا، حکومت صرف باتوں کی حد تک موجود ہے عملی طور پر ناکام ہو چکی ہے

کسان کی کرنسی 35 فیصد گری، امریکا اور یورپ میں 2008 کے بعد سب سے زیادہ مہنگائی ہوئی، چین میں 26 سال اور جرمنی میں 50 سال بعد سب سے زیادہ مہنگائی ہوئی ہے امریکا میں گیس کی قیمت 116 فیصد، یورپ میں تین سو فیصد بڑھی ہے، وزیر اعظم نے عوام کو کیسے آلو بنایا کہ پاکستان میں گھریلو گیس کی قیمت نہیں بڑھی جو سفید جموٹ ہے، ہمیں تیل کی قیمت میں مزید اضافہ کرنے کی ضرورت پڑے گی، پٹرول مہنگا کرنا پڑے گا ورنہ ہمارا خسارہ مزید بڑھے گا یہ وہی عمران خان ہے جو ڈی چوک والے دھرنے میں کہتا تھا جو وزیر اعظم مہنگائی کرے سمجھ چور ہے عوام اب مزید الونہیں نہیں گے حکومت کے ہاتھوں وہ کچھ کچھ ہیں کہ عوامی خدمت کی باتیں صرف عوام کو آلو بنانے کیلئے کی گئی تھیں وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں یہ نہیں کہا کہ جن ملکوں کی وہ مثال دے رہے ہیں ان میں شہریوں کو ہیلتھ کیونٹیشن سیت دیگر سہولیات کتنی ملتی ہیں اور ان کی آمدن پاکستانیوں سے کتنی زیادہ ہے، جس طرح آلو ایک سیدھا سادہ پرندہ ہے، اسی طرح سے اس سے متعلق عمارتوں بولنے والے بھی سیدھے سادھے ہی ہیں، ہر کوئی ان کا استعمال کرتا ہے، ایسے ہی جیسے حکومت اور اپوزیشن دن رات لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں، یہاں بس اتنا ہی کہوں گا کہ ہر شاخ پہ آلو بیٹھے ہیں انجام گلستاں کیا ہوگا؟



کی آواز کو تنہا سمجھا جاتا ہے۔ جنوبی افریقہ میں آلو کی آواز کو موت کی علامت سمجھا جاتا ہے کچھ ممالک میں سفید آلو کو سدا مانا جاتا ہے۔ آلو کے ساتھ کئی سیدھا کی کھات کا، آلو پنا تین سال نیا طوفان تک موجود مرئی کی ہوا، 150

یہ نہیں کر سکتی گلیں بلکہ کم از کم آٹھ گلاس پانی پینا معمول بنائیں۔ یہ چیز نہ صرف آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کو ختم کرنے کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگی بلکہ یہ آپ کی جلد کی بہتر صحت اور ڈی ہائیڈریشن کو دور کرنے کا بھی بہتر فارمولا ہے۔

☆ ☆ ☆
چکنائی ہے جو بالوں میں چمک پیدا کرتا ہے اس کے علاوہ سر کی جلد پر کیسٹو آئل۔ کان مساج کر کے نیم گرم پانی میں تولیہ بھگو کر پھر اسے نچوڑ کر سر کے گرد پلٹ لیں اس طرح سے کیسٹو آئل جلد میں اچھی طرح سے جذب ہو جاتا ہے۔ ایلی ہوئی چائے کی پتی کو تازہ پانی میں ڈال کر مزید ابال لیں خوب جوش دینے کے بعد اس چائے کو ٹھنڈا کر کے بالوں کو شپسو کرنے کے بعد آخر میں یہ پانی سر پر بہائیں اس سے بالوں میں چمک آجائے گی۔ آملہ ریشما کا پانی باسوسوں کی کھل اپنے بالوں میں دیکھیں اس میں جو آپ

شعدنی بیگز کو فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کر لیں اور پھر رات کو سونے سے پہلے 25 سے 20 منٹ آنکھوں پر رکھ لیں یہ بھی حلقوں کو ختم کرنے کے لئے بہت مفید ہے۔ ٹماٹوں اور لیموں کا رس کس کر کے حلقوں پر دن میں دو مرتبہ لگانے سے حلقے ختم کرنے کے ساتھ ساتھ آنکھوں کو خشک بھی دیتا ہے۔ رات کو سونے سے قبل باہام کے تیل سے آنکھوں کے گرد حلقوں کا مساج سیاہ حلقے ختم کر دیتا ہے۔ کھیروں کا رس نکال کر انہیں روٹی کو بھگو کر آنکھوں پر رکھنے سے حلقے بھی کم ہوتے ہیں اور آنکھوں کو خشک بھی مٹی ہے۔ روزانہ آٹھ سے دس گلاس پانی لازمی پینا چاہئے اس سے بھی حلقے ختم ہو جاتے ہیں۔ آنکھوں کے سیاہ حلقوں کو ختم کرنے کے لیے انڈے کی سفیدی بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہے، سفیدی کو نرم برش سے آنکھوں کے نیچے استیلا سے لگائیں، اس کے بعد 5 سے 10 منٹ انتظار کر کے چہرے کو گرم پانی سے دھو لیں، یہ خیال رکھیں کہ انڈے کی سفیدی آٹھ کے اندر نہ جائے جس سے عارض ہو سکتی ہے۔ روزانہ بہت زیادہ پانی پینا شروع کر دیں مگر اس کا مطلب

ہونے کے باوجود بنا رنگنا ہے حلقوں کی وجہ پوری نیند نہ لینا، ڈنڈی دباؤ زیادہ سوچ بچار، موروثی وجہ اور کم پانی پینا ہے ان تمام باتوں کا خیال رکھ کر حلقوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ روزانہ رات کو سونے سے پہلے تھوڑی سی روٹی کو بغیر ایلے دودھ میں بھگو کر آنکھوں کے اوپر رکھنے

آنکھوں کے گرد حلقے ختم کریں

سے حلقے ختم ہو جاتے ہیں۔ استعمال

آنکھوں کے گرد حلقوں کی وجہ سے چہرے کی خوبصورتی ماند پڑ جاتی ہے اور حلقے انسان کی پروقا شخصیت کو متاثر کرتے ہیں اور انسان صحت مند

بے رونق بالوں کیلئے گھریلو ٹوٹکے

بہتر ہیں لیکن سفید مرچ میں کچھ ایسی خصوصیات موجود ہیں جو اسے کالی مرچ سے زیادہ بہتر بناتی ہیں۔ سفید مرچ میں کپسائٹس جز پایا جاتا ہے جو جسم کی چربی ختم کرنے میں مدد دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر وزن میں کمی کی دوا میں ایک فعال جز کے طور پر کپسائٹس کی مقدار بھی رکھتی ہیں سفید مرچ کا استعمال آنکھوں کی بیٹائی کو بہتر بناتا ہے۔ بیٹائی تیز کرنے کے لیے سفید مرچ کا پاؤڈر، بادام پاؤڈر، سونف



صحت کا خزانہ سفید مرچ

پاؤڈر اور چینی کا کچھ بنا کر روزانہ کھانے سے آنکھوں کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆
طریقہ کار:

بڑے برتن میں دو گلو پانی لے کر ابالیں اب مٹن پائے شامل کر کے 20 منٹ تک پکائیں۔ پانی اتار کر پائے علیحدہ رکھ لیں۔ بڑے برتن میں تھی گرم کریں پیاز کو ہکا براؤن کریں اب بسن اورک کا پیٹ شامل کر کے مزید ایک گھنٹے تک پکائیں۔ باقی تمام مصالحے اور تھوڑی سی مقدار پان کی شامل کر کے اسے دس منٹ پکائیں اس کے بعد 3 سے 4 گلو پانی شامل کر دیں۔ برتن پر دھکن دیں اور 3/3 سے 4 گھنٹے پکائی پکائیں حتیٰ کہ پائے گل جائیں اب چوہے سے اتار دیں کمرے کے درجہ حرارت پر ٹھنڈا کر کے گریوی الگ اور پائے الگ کریں۔ گریوی کو

سفید مرچ کو صحت کا خزانہ قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ غذائی ماہرین کا کہنا ہے کہ کالی مرچ اور سفید مرچ دونوں ہی صحت کے لیے

سفید مرچ کو صحت کا خزانہ قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ غذائی ماہرین کا کہنا ہے کہ کالی مرچ اور سفید مرچ دونوں ہی صحت کے لیے

سفید مرچ کو صحت کا خزانہ قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ غذائی ماہرین کا کہنا ہے کہ کالی مرچ اور سفید مرچ دونوں ہی صحت کے لیے

سفید مرچ کو صحت کا خزانہ قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ غذائی ماہرین کا کہنا ہے کہ کالی مرچ اور سفید مرچ دونوں ہی صحت کے لیے

گھی جلد کو چمکدار بنائے

حصول: روٹی کو چمکدار بنانا چاہتی ہیں تو آپ گھی کو چہرے پر روزانہ رات کے وقت لگا کر سو جائیں صبح اٹھ کر منہ دھو لیں سن برن کی وجہ سے چہرے کی رنگت بھی پڑ گئی ہے تو ٹماٹر کے رس میں گھی ملا کر استعمال کریں۔ خشک جلد کے لئے: چند خواتین کو خشک جلد کی



شکایت دیتی ہے، اس کیلئے گھی کے تین سے چار قطرے روزانہ چہرے پر لگا کر کچھ منٹ مساج کریں۔ گھی جلد پر ایک حفاظتی سطح قائم کر دیتا جو آئندہ بھی چہرے کو خشکی سے محفوظ رکھے گی۔ علاوہ انہیں اسے ہونٹوں کو نرم و ملائم رکھنے کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

کے سر کے بالوں کو سوت کر کے اس کی تھوڑی مقدار کو رات بھر کے لیے پانی میں بھگو کر رکھ دیں صبح اس سے سر دھوئیں بال لہجے گھٹے اور چمکدار ہوں گے۔ آج کل بازار میں بھی بریل شپو۔ بالوں کے تمام مسائل کے لیے الگ الگ کننگری میں دستیاب ہیں اور بالوں کی اقسام کے مطابق ہوتے ہیں ان کا استعمال سے بھی بالوں میں نمایاں فرق آتا ہے جیسے کہ روز میری سکری کے لیے، اور ج پام پکھنے بالوں کے لیے، یکو مال خشک بالوں کے لیے، والٹھ جیری ٹارٹل بالوں کے لیے فائدہ مند ہے۔

☆ ☆ ☆
چھان کر دو بارہ چوہے پہ رکھیں اور پائے شامل کر دیں۔ اب ہلکی آتھ پ 30 سے 35 منٹ مکمل تیار ہونے تک پکائیں۔ گرم مصالحہ چھڑکیں۔ نان کشمیری روٹی یا ایلے ہونے چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔ آپ مٹن کی جلد بیٹ پاپا بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مٹن پاپے

☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆



ریل کی جاوونگری!

ڈیزل انجن کا تصور جرمن انجینئر وولف ڈیل نے 1893 میں پیش کیا

محمد سعید جاوید، 4 نومبر

بعد ازاں اس کی حد رفتار 13 کلومیٹر فی گھنٹہ تک ہو گئی تھی جو شہر کے اندر آمدورفت کے لیے مناسب تھی تاہم تیز رفتار ریل کی گاڑی کا ارتقاء ابھی سائنس دانوں کا ایک اہم اور خوب تھا جس پر کام ہوتا رہا۔ بہر کیف یہ مسئلہ 1881ء میں جا کر حل ہوا، جب کھلی کے بلب اور سٹیم کے موجد امریکہ کے تھامس ایڈیسن نے دو ڈیولپمنٹس چھوٹی سی گاڑی کو برقی انجن سے دوڑایا۔ اس کے لیے برقی روٹی مسلسل فراہمی کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے تھے، اس کی یہ جہد مسلسل بالآخر برقی انجن سے پلنے والی ایک شادمانہ گاڑی کے آغاز پر مکمل ہوئی۔

اسی دوران یار لوگوں نے ریل سے انجن کو لوکوموٹیو (Locomotive) کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس لیے بھاپ کے انجنوں کو سٹیم لوکوموٹیو اور برقی انجنوں کو الیکٹریک لوکوموٹیو کہا جانے لگا۔ ہم لوگوں کے منہ پر چونکہ انجن کا لفظ ہی چڑھا ہوا ہے اس لیے ہم اس کو محض انجن ہی کہیں گے البتہ جہاں کہیں مناسب لگا تو متذکرہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے اس کو لوکوموٹیو کے نام سے بھی پکارا جائے گا۔

اب دو اقسام کے انجن گاڑیوں کو اپنے پیچھے لگا کر چل رہے تھے، ایک تو وہی روایتی بھاپ والے انجن اور دوسرے نئے نئے آنے والے بجلی سے چلنے والے الیکٹریک لوکوموٹیو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اندر ہی اندر ایک تیسری قسم کے انجن پر بھی 1912ء سے توجیہ و توجیہ کا کام ہو رہا تھا، یہ ڈیزل انجن تھا۔ ایسے انجن کا تصور سب سے پہلے ایک جرمن انجینئر اور موجد رولف ڈیزل نے 1893ء میں پیش کیا تھا، بعد ازاں اسی کے نام کی مناسبت سے اس کا نام ڈیزل انجن رکھا گیا۔ اس میں استعمال ہونے والے ایندھن کی اس قسم کا نام بھی اسی کے نام پر ڈیزل رکھ دیا گیا جو آج بھی مستعمل ہے۔

مستعمل تجربہ بات کے بعد 1930ء کی دہائی میں یہ طے پایا کہ ڈیزل کو بلور ایندھن استعمال کر کے بہت سے فوائد حاصل کیے جاسکتے کیونکہ ایک تو یہ لاگت میں پٹرول کی نسبت بہت سستا پڑتا تھا۔

دوسرا اس سے چلنے والا لوکوموٹیو بہت طاقتور اور طویل مسافت کے لیے بے حد موثر تھا۔ مختلف تجربات کے بعد اس تجربہ کو قابل عمل پا کر امریکائیوں نے سب سے پہلے اسے اپنانے کا فیصلہ کیا اور حکام کی جانب سے رقتہ رقتہ تمام کی خوبصورت بیٹیاں بھی خاموش ہو گئیں اور اب تو ہر طرف ڈیزل انجن ہی چلنے پھرنے لگے تھے۔ امریکہ میں ڈیزل انجن کی کامیابی کو دیکھ کر دوسرے ممالک نے بھی دھانی انجنوں کو بندرتجارتی اوداع کہہ کر اپنی ریل گاڑیوں کو ڈیزل لوکوموٹیو کے

ایک صدی سے زائد ساتھ نبھانے والے دھانی انجن متروک قرار پائے اور عجائب گروں میں رکھ دیئے گئے یا ساحلوں کی سیر و تفریح کیلئے مخصوص ہو کر رہ گئے

ساری دنیا میں ریل گاڑی کا آغاز ہو چکا تھا رقتہ رقتہ نقل و حرکت کا یہ ذریعہ روزمرہ کی زندگی کا لازمی حصہ بن گیا تھا اس کے بغیر طویل سفر کا تصور بھی محال تھا

ریل کی آمد سے قبل سارا نظام چمکڑوں، اونٹ اور تیل گاڑیوں کے ارد گرد ہی گھومتا تھا مسافر اور سامان ڈھونڈنے کیلئے ٹرک یا بسیں ہندوستان نہیں پہنچی تھیں

حوالے کر دیا۔ آجہاںی سٹیم انجنوں کے لیے ملک میں جگہ قبرستان بن گئے اور برسوں تک ریلوے اور مداحوں کے دلوں پر راج کرنے والے سینکڑوں انجنوں کو بے رحمانہ طریقے سے ان قبرستانوں میں دھکیل دیا گیا جہاں وہ بیٹھے ہی جی مر گئے، ان کی لاشیں بھی موسم کی سختیاں برداشت نہ کر سکیں اور دھیرے دھیرے گل ساڑ گئیں۔

ساری دنیا میں ریل گاڑی کا آغاز ہو چکا تھا اور رقتہ رقتہ نقل و حرکت کا یہ ذریعہ روزمرہ کی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن گیا تھا اور اس کے بغیر طویل سفر کا تصور بھی محال تھا۔ ریل گاڑی ہندوستان بھی آن پہنچی ہندوستان کی پہلی گاڑی

جب انگریز اپنے ملک میں چپے چپے ریل کی پٹریاں بچھا کر ایک مربوط نظام کے تحت سارے

روایتی سٹیم انجنوں کو ڈیزل لوکوموٹیو سے تبدیل کرنے کا منصوبہ منظور ہو گیا۔ یہ سلسلہ 1935ء سے شروع ہوا اور 1960ء تک دھانی انجن رقتہ رقتہ امریکہ سے تیار ہو گئے اور ان کی جگہ ڈیزل انجنوں نے لے لی۔ اس طرح ایک صدی سے زیادہ ساتھ نبھانے والے دھانی انجن متروک قرار پائے اور اب وہ محض عجائب گروں میں سما جاتا رکھ دیئے گئے یا پھر ساحلوں کی سیر و تفریح کے لیے ہی مخصوص ہو کر رہ گئے تھے۔ صدیوں پرانے سٹیم انجن

صدیوں کے سٹیم انجن کی خوبصورت سیٹیاں خاموش ہو گئیں

سینکڑوں انجنوں کو قبرستانوں میں دھکیل دیا جہاں جیتنے جی مر گئے

شہروں کا آپس میں رابطہ قائم کر رہے تھے تو ان کے ذہن کی کسی کو نے اس سہولت کو اپنے تمام ذہنی قیادت علاقوں تک پہنچانے کا منصوبہ بھی تھا۔ اس لیے نہیں کہ انہیں ان ممالک خصوصاً ہندوستان سے کچھ زیادہ ہی محبت تھی بلکہ وہ اس پر اپنا مستوی تسلط قائم رکھنے کے لیے ریلوے کا یہ نظام ہندوستان میں متعارف کروانا چاہتے تھے جس سے ایک طرف تو ہندوستان میں تعمیر ان کی افواج کو نقل و حرکت میں آسانی ہو جاتی تو دوسری طرف وہاں سے خام مال اٹھا کر بندرگاہوں کی طرف لے جایا جاتا تھا جہاں سے اسے بحری جہازوں پر لا کر برطانیہ، یورپ، امریکہ اور دنیا بھر کے دوسرے ملکوں تک بھیجنا مقصود تھا۔ جب یہی جہاز ہندوستان واپس آتے تو وہاں کی ٹھوں اور جینٹریوں کا تیار کردہ سامان ساتھ لاتے تھے جو یہاں پہنچ کر انتہائی مہنگے داموں فروخت ہوتا تھا۔ ذرا آگے رفتہ نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں ساری برادر برداری، گھوڑا، اونٹ اور تیل گاڑیوں پر ہی ہوتی تھی۔ کبھی کبھار باجھی بھی مدد کو آن پہنچتے تھے۔ ریل کی آمد سے کل مسافروں کی نقل و حرکت کا سارا نظام بھی چمکڑوں، اونٹ اور تیل گاڑیوں کے ارد گرد ہی گھومتا تھا۔ بھاری اور زیادہ تعداد میں مسافر اور سامان ڈھونڈنے کے لیے ابھی ٹرک یا بسیں وغیرہ ہندوستان میں نہیں پہنچی تھیں اور نہ ہی اس وقت سڑکوں کا کوئی قابل بھروسہ نظام موجود تھا۔

انگریز پانی ایک چھانڈی سے دوسری تک جانے کے لیے گھوڑوں اور گھیبوں پر سزیا کرتے تھے اور ان کا سامان مزور مختلف طریقوں سے وہاں پہنچاتے تھے۔ مقامی لوگ تو اپنے ماحول میں رہنے کے عادی تھے اس لیے ان کے مطابق تو سب کچھ معمول کے مطابق ہی چل رہا تھا تاہم انگریزوں کو زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ کرنے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے تیز رفتار سواروں کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ پھر مختلف علاقوں میں جنگیں لڑنے یا بغاوت کچلنے کے لیے بھی وہاں جلد از جلد جنگی ساز و سامان اور کمک پہنچانا ضروری ہوتا تھا۔

یوں تیزی سے ہندوستان میں ریل لانے کا منصوبہ بننے لگے اور اس سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ ان پر کام بھی شروع ہو گیا۔ ویسے تو انگریزوں کا ہندوستان کے تمام اہم مقامات کو ریل گاڑی کے ذریعہ آپس میں ملانے کا منصوبہ تھا جس کے لیے تیاریاں عروج پر تھیں تاہم انہوں نے بڑی بندرگاہوں کو ریلوے کا سب سے پہلا ہدف بنایا لہذا ہندوستان میں پہلی جیتی جاتی مسافر گاڑی کو "ہیسی" اور "تھانے" کے سچ چلانے کا فیصلہ ہوا جن میں آپس کا فاصلہ کسٹل سٹی کوئی پونیس کلومیٹر بنتا تھا۔

اس ریل گاڑی کا سارا سامان برطانیہ سے آیا تھا۔ جب اس کے لیے بڑی بچھائی گئی تو اس کی چوڑائی 5 فٹ 6 انچ رکھی گئی اور اسے براڈ گیج ریلوے لائن کہا جانے لگا اور بعد ازاں سارے ہندوستان میں بچھائی جانے والی اکثر پٹریوں کے لیے یہی یہی معیار اپنایا گیا تاہم بعد میں ملک کے کچھ حصوں خصوصاً پہاڑی علاقوں میں ضرورت کے مطابق میٹر گیج اور نریو گیج پٹریاں بھی بچھائی گئیں جن کی چوڑائی طے کیے گئے یا معیار سے قدرے کم ہوتی تھی۔

جب یورپی ہندوستانی اور تھانے کے درمیان پونیس کلومیٹر کی یہ پٹری مکمل طور پر بچھائی جا چکی تو اس پر آزمائشی طور پر تیرہ ڈیوں کی مسافر گاڑی چلانے کا فیصلہ ہوا جن میں کوئی چار سو لوگ سفر کر سکتے تھے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ اس پہلی گاڑی کو بیک وقت تین اسٹیم انجن چھینیں گے جو برطانیہ سے منگوانے گئے تھے۔

(متم شد)

حمید اختر فلمی دنیا
لاہور سے بمبئی تک سفر!

کپٹن ریٹائرڈ شہزاد منیر (قسط نمبر 2)

اس کی دلیل یہ تھی کہ وہ گیس کے لیے زیادہ
وام جسمانی آرام کے لیے اور نہیں کرتا بلکہ آواز
دے کر گیس کو گونگھے کے اشارے سے بلانے
میں جو اسٹنٹ ہوتی ہے اس کے لیے اس
سواری سے کام لیتا ہے۔ ان فضول خرچیوں
کی وجہ سے پیسے ختم ہو جاتے تو وہ مجبوراً بس
میں سفر کرنے پر بھی تیار ہو جاتا لیکن بس
سٹینڈ پر ہر پانچ منٹ بعد آنے والی بس
میں بیٹھنے سے پہلے وہ یہ دیکھتا کہ اس میں
بالوں میں پھولوں کا بگڑا ہوا کوئی ایسی
خاتون بھی بیٹھی ہے جس کی گھٹی نشست
خالی ہو۔

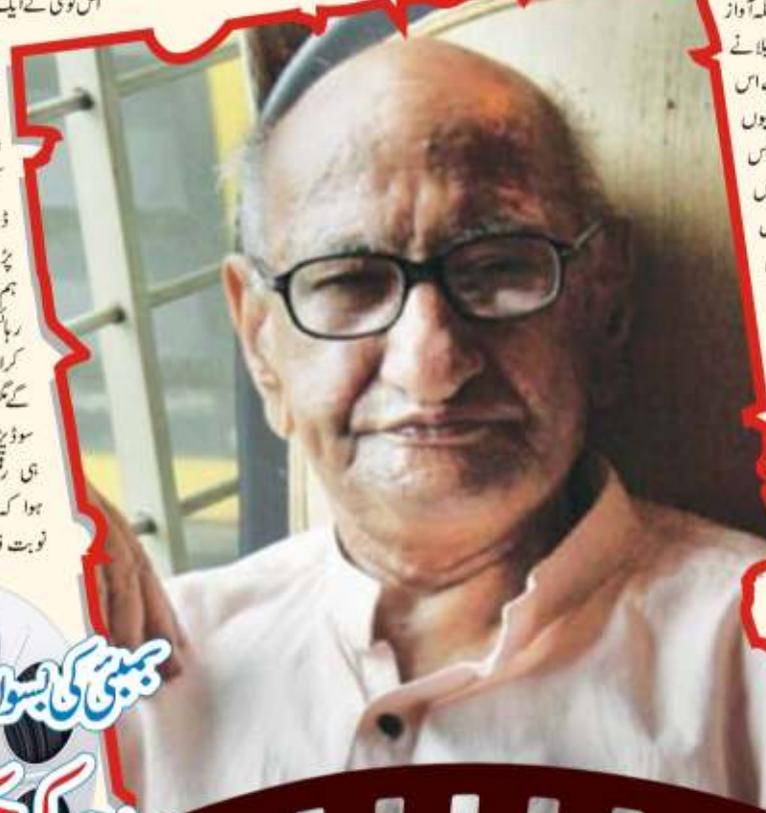
مباراشتر میں تقریباً سبھی خواتین
سر کے بالوں میں پھولوں کا ٹوڑا سجا
کر گھر سے نکلتی تھیں اور بمبئی کی
بسوں میں مردانہ زنانہ کی الگ
الگ نشستیں نہیں ہوتی تھیں۔ ساحر
ایسی خاتون کی تلاش میں دو تین بیس
مس کر دیتا جس میں جوڑے والی
خاتون کی گھٹی نشست خالی ہو،
جہاں جا کر ہم بیٹھ سکتے۔ دلچسپ
بات یہ ہے کہ وہ کسی ایسی خاتون
کی برابر والی نشست پر برگز
قابل نہ ہوتا بلکہ اس کی چھٹی
سیٹ پر بیٹھ کر اور لمبی لمبی
سائیں لے کر

پھولوں کی
خوشبو سے
لطف اندوز ہوتا
رہتا۔"

ساحر
لدھیانوی کی فضول
خرچی کے حوالے
سے حمید اختر نے متعدد
واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ان
کے بقول:

"مالی لحاظ سے یہ کوئی
تھے۔ تنخواہ دس تاریخ تک
جاتی کہ سب سے پہلے
اخراجات ساحر ادا کرتا تھا۔
ولفنگ کا ذمہ دار ہوتا اور پھر چلیس
کی چھبیس خالی ہو جاتیں تو
شروع ہو جاتی۔ اس زمانے میں
بھی ہوئے، بڑا وقت بھی دیکھا مگر
پیسے ختم ہو جاتے تو ہم سب باری باری ایڈوانس لیتے۔ جنرل منیر
اپنا ہی تقاس لیے اس میں کچھ زیادہ مشکل پیش نہ آتی تاہم ہر چیز کی حد
ہوتی ہے۔ ہمارا خراب ریکارڈ دیکھ کر ایک دن بیٹھنے نے تیوں کو بلا یا اور
ایک فالٹو تنخواہ دینے کا اعلان کیا بشرطیکہ ہم اس کے بعد ایڈوانس نہ
مانگیں۔ ہم نے وعدہ تو کر لیا مگر بہت تک ہوئے۔ اس زمانے میں
افسانہ نگار سید انور جو ہندوستانی بحریہ کا اعلیٰ افسر تھا اور لدھیانہ کا رہنے
والا تھا۔ بمبئی میں مقیم تھا، چنانچہ وہ ہماری زد میں آ گیا۔ جب فائدہ تک

نوٹ کچھتی ہم کو بلا رہے تھے۔ رات کا کھانا اس کے
ہاں کھاتے، پھر اس سے میں روپے قرض مانگتے جو ہمیشہ مل جاتا اور
کبھی واپس نہیں ہوتا مگر مشکل یہ تھی کہ اس سے تیس روپے تک کی یہ
رقم ہمیشہ چیک کی صورت میں ملتی۔ انور فقہ پیسے گھر میں رکھتا ہی نہیں
تھا۔ ہم اس سے میں تیس روپے کا چیک لے کر نکلتے اور سارا راستا سے
گالیاں دیتے رہتے کیونکہ منجھ آٹھ کر پیسے لینے کے لیے اس کے بنک
جانا پڑتا۔ بہر حال یہ سلسلہ بہت دنوں تک



دوران ساحر کی وجہ سے اکثر فائدہ کسی کی نوٹ آجاتی لیکن ان واقعات کو
یاد کرتے ہوئے ان کے الفاظ میں جو بڑے لطف مناس اور محبت تھی، وہ
حمید اختر کی شخصیت کا حقیقی پرتو تھی۔ ساحر کے حوالے سے ایک اور واقعہ
کے بیان سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ اندھری میں ہم کرشن چندر کے گھر سے واپس مقامی
ریلوے سٹیشن کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک گھٹی پر "کرایہ
کے لیے خالی ہے" کا بورڈ نظر آیا۔ ہمیں مکان کی ضرورت نہیں تھی لیکن
اس گھٹی کے ایک سرے پر "بل دے ڈیز" کا بورڈ بھی آویزاں تھا جسے
دیکھ کر وہ تڑپ اٹھا اور کہنے لگا "بس یہ گھٹی کرایہ پر
لے کر اس میں رہیں گے۔"

کیوں بھی؟ ہم نے پوچھا۔
اس لیے کہ دوستوں کو اپنے ایڈریس سے مطلع
کریں گے جو اس طرح ہوگا: ساحر لدھیانوی بل دے
ڈیز، روسو روڈ، اندھری، بمبئی تو ان پر بڑا رعب
پڑے گا۔

ہم لوگوں نے بہت سمجھایا کہ ہم مرکزی بمبئی میں مفت
رہائش کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ کرایہ پر مکان لینے میں
کرائے کے علاوہ آمدورفت کے اخراجات بھی بڑھیں
گے مگر وہ نہ مانا، خیر دوسروں نے ماہوار کرایہ پر یہ گھٹی لے لی
سو ڈیڑھ سو روپے ماہوار کرایے پر فرنیچر بھی حاصل کیا۔ اتنی
ہی رقم شہر آنے جانے پر صرف ہونے لگی۔ نتیجہ یہ
ہوا کہ چندہر میں
روز بعد
نوٹ فائدہ کسی تک

ہمارا خراب ریکارڈ دیکھ کر ایک دن
بیٹھنے نے تیوں کو بلا یا اور ایک فالٹو تنخواہ
دینے کا اعلان کیا بشرطیکہ ہم اس کے
بعد ایڈوانس نہ مانگیں

حمید اختر کے فلمی دور کے چند ماہ
بے حد دلچسپ تھے ان کی ممبئی کی یادوں
میں کوئی ایسی یاد نہیں ہے جس میں
ساحر لدھیانوی شامل نہ ہو

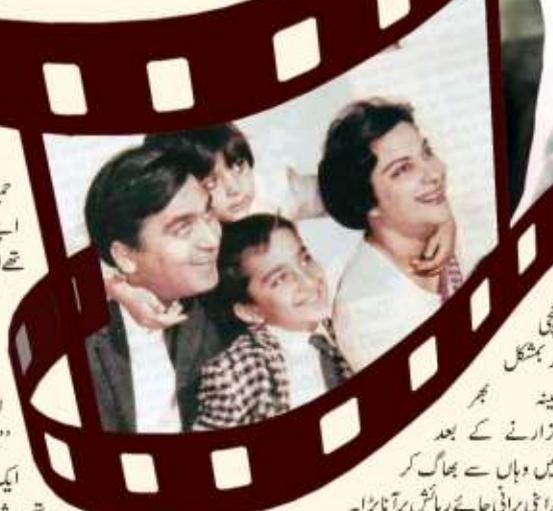
ہاکی بیچ دکھانے لے جاتے، کبھی سینما اور کبھی کسی تفریحی مقام پر۔ مجاز
ایک آدھ مرتبہ انہیں نچوڑے کر کسی دوست کے گھر بیٹھنے میں کامیاب
بھی ہوا جہاں اس کی مراد پوری ہوئی۔ بہر حال اس کاوش کے لیے حجاب
ظہیر نے حمید اختر کو "بیچ پاشو یک" کے خطاب سے بھی نواز لیکن مجاز کو
شراب نوشی سے روکنا کوئی سادہ اور سہل کام نہیں تھا۔ اس سلسلے میں حمید
اختر نے اپنی متعدد کاوشوں کا ذکر کیا ہے جنہیں نے کئی بار کامیابی سے
نا کام بنایا۔

ایک بار جب اس کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو
حمید اختر اور بعض دوسرے
دوستوں نے سڑ روپے کی
رقم جمع کر کے اور کھٹو کا
سینکڑ کا اس کا ٹکٹ خرید کر
اسے اس کے ستر بند
سمیت گاڑی میں سوار
کر دیا۔ تین چار گھنٹوں
کے بعد وہ جمودتا
جمامتا حمید اختر کی رہائش
گاہ پر پہنچ گیا۔ ہوا یہ تھا کہ بمبئی
سٹیشن سے چل کر گاڑی جب داور
کے سٹیشن پر رکی تو وہ گاڑی سے نیچے
اُتر آیا۔ تھوڑا سا جرمانا ادا کر کے ٹکٹ
کی رقم واپس لی اور سیدھا خراب
خانے میں جا کر دم لیا۔ وہاں سے
نیچے گئے جنہوں نے شراب پی کر
دوستوں کے پاس پہنچ گیا۔

حمید اختر کے کردار کا یہ رخ انتہائی قابل قدر ہے، وہ
اپنے ترقی پسند دوست حکومت کی طرف بڑھتا دیکھ رہے
تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ سنبھل جائے لیکن شاید
اس کا کوئی بھی دوست اس پر قابو پانے میں
کامیاب نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں ایک اور واقعہ کا
ذکر ضروری ہے جو حمید اختر نے مجاز کے حوالے سے
اپنی یادداشتوں میں بیان کیا ہے:

"ہماری اس کی گمرانی کے دور میں ایک روز وہ ہمیں
ایک ہندو دوست کے گھر لے گیا جس کو ہم نہیں جانتے
تھے وہ شام کے شعل سے فارغ ہو کر کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے
مجاز کو بھی کھانے کی دعوت دی۔ مجاز نے انکار کیا۔ جب اس نے
دوسری تیسری بار انکار کیا تو ساتھ ہی بولا "سائل! تجھے پتہ ہے کھانا
ہماری لائن نہیں ہے، اس پر وہ دوست سخت شرمندہ ہوا اور اس نے بول
ساننے لا کر رکھ دی۔ اس اجنبی ماحول میں ہم بھی اسے اپنے دل کے
ارمان پورے کرنے سے نہ روک سکتے۔"
(ختم شد)

ممبئی کی بسوں میں مردانہ زنانہ کی الگ نشستیں نہیں ہوتی تھیں
ساحر کی حرکتوں سے حمید اختر کی تلخی کا اظہار کرتے
پیسے ختم ہو جاتے تو ہم باری باری ایڈوانس لیتے



جاری رہا۔
حمید اختر کے فلمی دور کے یہ چند ماہ بے حد دلچسپ
تھے۔ ان کی ممبئی کی یادوں میں کوئی ایسی یاد نہیں ہے جس میں ساحر
لدھیانوی شامل نہ ہو۔ حمید اختر کی اس دور کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے
ان واقعات کی بے حد اہمیت ہے۔ ساحر کی عجیب و غریب حرکتوں کو
بیان کرتے ہوئے حمید اختر کسی بیزاری یا تلخی کا اظہار نہ کرتے بلکہ خود
بھی ان سے لطف اندوز ہوتے محسوس ہوتے۔ فلم کہنی کی ملازمت کے

کوٹھی کے ایک سرے پر "بل دے
ڈیز" کا بورڈ آویزاں تھا جسے دیکھ کر وہ
تڑپ اٹھا اور کہنے لگا "بس یہ کوٹھی کرایہ
پر لے کر اس میں رہیں گے"

کچھ عرصہ کے لیے اسرار اہن مجاز بھی ان کے ساتھ رہے۔ ان دنوں بھی
مجاز کی شراب نوشی کے قے عام تھے۔ بنے بھائی یعنی شہاد ظہیر نے جو
بقول حمید اختر، سب ترقی پسندوں کے گرو تھے، نے حمید اختر کی ڈیوٹی
لگائی کہ وہ مجاز کی شراب نوشی کو ختم یا کم کرنے کی کوشش کریں۔ حمید اختر
نے کافی جدوجہد کر کے مجاز کو شراب سے دور رکھا۔ کبھی اسے لڑکیوں کا

کرکٹ کا فیڈ مارشل

محمد سجاد خان 5 نومبر

سابق سیکرٹری KCCA سید سراج الاسلام بخاری جو BBC کے لیے اردو کمنٹری کر رہے تھے ان کو پید چلا تو انہوں نے جان آرٹس کے کمنٹری کس میں جا کر ان کے کان میں کہا کہ "بیٹنگ آرڈر تبدیل کر دیا گیا ہے، یہ نوجوان جو بیٹنگ کر رہا ہے وہ جاوید میانداد ہے"۔ جان آرٹس نے صحیح کرنے پر بخاری صاحب کا شکر یہ ادا کیا۔ پاکستانی ٹیم نے 60 اوروں میں سات کھلاڑیوں کے آؤٹ ہونے پر 266 رنز بنائے۔ ماجد خان، مشتاق احمد اور وہم راجہ نے نصف پینچر یا سکور کیس۔ ویسٹ انڈیز کی آنکڑا

آغاز ہوا، وقفے وقفے سے ان کی وکٹیں گرنے کا سلسلہ جاری رہا، جاوید میانداد نے بھی اپنی پٹی تلی بولنگ سے ویسٹ انڈیز

کلائیولا سیڈ نے کہا، تم کالے جاو کے ماہر لگتے ہو میانداد نے کاؤنٹی کھیلنے کی کوشش تیز کر دی سات چھکوں اور سولہ چوکوں کی مدد سے 162 رنز کی یادگار اننگز کھیلی

تم سے کہہ رہا ہوں یہ تمہارے لیے قیمتی ۱۱۵۵ رت ہوگا تم سے موقع تو دو۔ آصف اقبال نے بالآخر پاکستان کو رضامند کر لیا۔ جاوید میانداد نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اچھی بیٹنگ کی، صادق عمر کی کوششوں سے میانداد کو سکس کی B ٹیم کی طرف سے بیچ میں کھیلنے کا موقع ملا۔ سکس کی سیکنڈ ایون کی طرف سے کھیلنے ہوئے ہتھیار کی سیکنڈ ایون کے خلاف جاوید میانداد نے شاندار بے بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈبل چھری بنا کر افریقہ

کافی پریشان کیے رکھا۔ کلائیولا ٹیڈ جو بڑے اطمینان سے کھیلنے ہوئے اپنی نصف پٹری مکمل کر چکے تھے میانداد کی گیندان کی طرف کوشش ہوئی آئی، اس کو بیچ نہ کر سکے۔ وہم ہاری کے ہاتھوں بیچ آؤٹ ہو گئے۔ امپائر نے آؤٹ کا اشارہ کیا تو کلائیولا ٹیڈ چند لمحوں بعد توجرت سے کھڑے رہے، ان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ آؤٹ ہو گئے ہیں اور وہ امپائر کے فیصلے سے بھی مطمئن نہیں تھے۔ پولین جاتے ہوئے میانداد سے مخاطب ہوئے:

"تم ضرور کالے جاو کے ماہر لگتے ہو، ورنہ یہ بال کسی بھی قیمت پر مجھے آؤٹ نہیں کر سکتی تھی"۔

وقفے وقفے سے وکٹوں کے گرنے کا سلسلہ جاری رہا، بیچ کافی مستی خیز مہلے پر آ گیا۔ 203 رنز پر ویسٹ انڈیز کی نو وکٹیں گر چکی تھیں، بیچ پر پاکستان کی گرنٹ مشبوٹا بھی کیونکہ آخری وکٹ پر 64 رنز درکار تھے مگر بد قسمتی سے وکٹ کیپر ڈیوک مرے اور اینڈری رابرٹس نے آخری وکٹ کے لیے حیران کن پارٹنرشپ قائم کر کے بیچ پاکستان کے جڑے سے چھین کر اپنی جھولی میں ڈال لی۔ بیچ ختم ہونے سے دو گیندیں گھس ہی سکور پر آ کر کے پاکستان کو کسی فائنل کی دوڑ سے باہر کر دیا۔ گھسٹ کے باوجود سرفراز نواز کو چار وکٹوں کی بدولت مین آف دی بیچ کا حق وار قرار دیا گیا۔ اس کے بعد اگلے بیچ میں پاکستان نے ماجد خان، صادق عمر اور مین آف دی بیچ ظہیر عباس کی نصف پٹریوں کی بدولت سری لانکا کو گھسٹ دے کر فور نامنت میں واحد بیچ حاصل کی۔ اس بیچ میں میانداد نے 28 رنز بنائے اور آؤٹ نہیں ہوئے اور دو سکس بھی حاصل کیں۔ بعد ازاں ویسٹ انڈیز نے آسٹریلیا کو فائنل میں گھسٹ دے کر پہلے عالمی چیمپئن کا اعزاز حاصل کیا۔ ورلڈ کپ میں شرکت کے حوالے سے جاوید میانداد نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا:

"میں بہت خوش تھا، جن بڑے بڑے کرکٹرز کے ہم سنے تھے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ پروردگار کا کرم ہے کہ اس نے مجھے ملک کی نمائندگی کا موقع فراہم کیا۔ والدین کی دعاؤں کے طفیل اپنی جلدی اس

ریکارڈ توڑ دیا۔ آصف اقبال جو اس بیچ میں میانداد کی حوصلہ افزائی کے لیے موجود تھے، نے میانداد کو گلے لگاتے ہوئے کہا "تم نے ہماری لایح رکھی، بس یوں سمجھو، گوروں کو ان کے گھر میں بیچ کر لیا، اب تم چاہو بھی تو یہ لوگ نہیں نہیں گے"۔ اور ہوا بھی



پاکستان ٹوٹی ٹیٹا، انگلینڈ کے کرکٹ جو سسکس ٹیم کے بھی پاکستان تھے ان کو اپنی کاؤنٹی کے لیے ایک

کریک ہی ان کی دلجوئی کرتے۔ بقول جاوید میانداد انہوں نے ان دنوں ایک بڑے بھائی کی طرح میرا خیال رکھا، اگر وہ نہ ہوتے تو شاید میں انگلینڈ سے واپس لوٹ آتا۔ ٹوٹی ٹیٹا کے ساتھ میانداد کا رشتہ وقت کے ساتھ ساتھ اور مضبوط ہوتا گیا۔ ان کی دوستی اور محبت کرکٹ چھوڑنے کے بعد

کھلاڑی منتخب کرنا تھا، ان کے سامنے چار غیر ملکی کھلاڑیوں کی فہرست موجود تھی، انہوں نے ورلڈ کپ میں میانداد کے کھیل کو دیکھا تھا، جاوید میانداد کے ٹیلنٹ کو بھانپتے ہوئے ان کا انتخاب کیا، میانداد کی کم عمری کی وجہ سے خصوصی رجسٹریشن کروا کر انہیں سکس کی ٹیم میں شامل کر لیا۔

امپائر نے آؤٹ کا اشارہ کیا تو کلائیولا ٹیڈ چند لمحوں بعد توجرت سے کھڑے رہے، ان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ آؤٹ ہو گئے ہیں وہ امپائر کے فیصلے سے مطمئن نہیں تھے

وکٹ کیپر ڈیوک مرے اور اینڈری رابرٹس نے آخری وکٹ کے لیے حیران کن پارٹنرشپ قائم کر کے بیچ پاکستان کے جڑے سے چھین کر اپنی جھولی میں ڈال لی

1976ء کے بیزن میں جاوید میانداد نے اپنے پہلے ہی کاؤنٹی بیچ میں ہیشائر کے خلاف ٹوٹی ٹیٹا کے اعزاز پر پورا اترتے ہوئے 135 رنز ناٹ آؤٹ کی اننگز کھیل کر بیچ جتوایا۔ اگلے بیچ میں کینٹ کے خلاف ایک بار پھر عمدہ بیٹنگ کے جوہر دکھائے۔ سات چھکوں اور سولہ چوکوں کی مدد سے 162 رنز کی یادگار اننگز کھیلی۔ اگلے تین بیچوں میں دو نصف پٹریاں بنا کر یوں وہ اپنے پہلے ہی کاؤنٹی بیچ میں دو پٹریوں اور دو نصف پٹریوں کی مدد سے 52 رنز بنا کر سکس کی طرف ٹاپ اسکورر رہے۔

پاکستان سے باہر اگر کسی نے میانداد



سفر ترکی



فواد احمد
قطر نمبر 4

یہاں تک کہ انسانی تصاویر بننے
حضرت عیسیٰ، مریم و غیرہ سے
منسوب کیا جاتا ہے یہی اسی طرح
موجود ہیں یہ ضرور ہے کہ نماز کی
ادائیگی کے لیے ان تصاویر کو
ڈھک دیا جاتا تھا۔

مارچ 2017 کے
دورے
آخری دن ہم رسول

کے مدینہ میں میزبان حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار پر بھی گئے۔ آپ اس دستے کا حصہ تھے کہ جس نے نبی کریمؐ کی بشارت کو پانے کے لیے سب سے پہلی مرتبہ قسطنطنیہ فتح کرنے کی کوشش کی۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا دوران جنگ ہی بیماری سے انتقال ہوا اور آپؓ کی آخری وصیت کے مطابق بازنطینی سلطنت کے داخلی دروازے کے قریب تدفین ممکن بنائی گئی۔ اس مقام پر دیگر شہداء بھی دفن ہیں قسطنطنیہ کے فاتح سلطان محمد نے خراج عقیدت کے لیے آپ کا مزار بنوایا تھا جو آج بھی مسلمان سیاحوں کے لیے مرکزِ حجت اور دعا ہے۔ مزار کے ارد گرد علاقے کا نام بھی اس وقت سے ایوب کہلاتا ہے۔ بہت سے سلطان خواہش کرتے رہے کہ انہیں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار کے احاطے میں ہی دفن کیا جائے۔ اہم بات۔ ہر سن آنے والے سلطان کو تکبیر اور سلطانی دینے کی تقریب بھی اسی جگہ طویل عرصے تک منعقد ہوتی رہی ہے۔ تبصرہ صرف یہی بنتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ نے اپنے نبی سے رشتے جوڑنے کے لیے صحابی رسولؐ کی جانے تدفین کو اپنا سب سے اہم مرکز بنایا ہوا تھا۔ بعد کی نماز مزار کے احاطے میں ادا کرنے اور دعا کے بعد قرآنی ریسٹوران سے کھانے کا منصوبہ تھا۔ مزار کے باہر شیشے کے باکس میں بند بھٹی ہوئی مرسلین کا زری۔ جی ہاں بھٹی ہوئی گاڑی۔ یہ 2012 کی ناکام فوجی بغاوت کی یادگار گاڑی ہے۔ مزار کے داخلی راستے پر

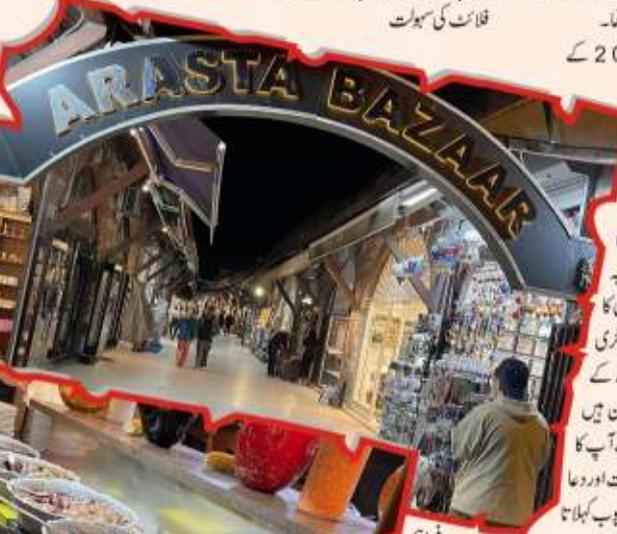
مزار کے ارد گرد علاقے کا نام بھی اس وقت سے ایوب کہلاتا ہے بہت سے سلطان خواہش کرتے رہے کہ انہیں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار کے احاطے میں ہی دفن کیا جائے۔

نی مل جائے گی۔ معلوم نہیں اب بھی موجود ہے یا نہیں۔
2021 کا سارا گھومنا پھرنا اچھی طرح یاد ہے۔ اس مرتبہ بھی ہمیں اٹالیہ سے استقبال جانا تھا۔ اٹالیہ میں ہمارے 4 روزہ قیام کا انتظام ایک بہت ہی خوبصورت مقام پر تھا۔ یہاں سے استقبال تک کا سفر مقامی ترک ایئر لائن پکاس کی پرواز کے ذریعے طے کیا گیا۔ اس ایئر لائن کے جہاز ہم نے کراچی سے لاہور تک پرواز کرتے اس وقت بھی دیکھے تھے جب بی آئی اے نے حدود عرصے کی لیز پر ہی ایئر لائن کے جہاز لیے تھے۔ ان

ستمبر کے آخری ایام میں تو کم کراچی جیسا معتدل گرمی ماننا تھا
”استنبول“ خوبصورت رنگوں کا شہر

دیتی ہیں۔ پیلے رنگ کی بڑی مرسلین ہمیں اس کے علاوہ ہیں۔
یہاں اربن ٹرانسپورٹ کا ایک مربوط نظام پایا جاتا ہے۔ اگرچہ
یہاں وہی جیسا کنگریٹ، جنگل نہیں ہے لیکن جدید تعمیرات ضرور
دکھائی دین گی۔ صفائی کا انتظام عمدہ ہے۔ سارا دن ہی صفائی ہوتی
رہتی ہے اور دن کے ہر پیرسوں پر بلدیاتی ادارے کے ٹرک
کھوٹے دکھائی دیتے۔

سڑک کے مشاہدے سے پتا چلا کہ یہاں زیادہ تر گاڑیاں
یورپی ساختہ اور تھوڑی بہت جاپانی ساختہ ہیں۔ پبلیک ٹرانسپورٹ
کے لیے آئی کی طاقتور ڈریل انجن والی فیاٹ
گاڑی استعمال ہوتی ہے۔ کورونا
سے بچاؤ کے لیے بہت سی
ٹیکسیوں میں مسافر اور
ڈرائیور کے درمیان



ایئرپورٹ پر اتر چکا تھا جو ”شہر والا ایئرپورٹ“
بھی کہلاتا ہے۔ صیغہ ترکی کی سب سے پہلی خاتون
پائلٹ تھیں اور ایئرپورٹ انجینیئر کے نام سے منسوب کیا
گیا ہے۔ چھوٹا ایئرپورٹ پکارا جانے کے باوجود یہ
ہمارے کراچی کے ایئرپورٹ سے بھی بڑی محسوس ہوا۔
ایئرپورٹ سے ایک مرتبہ پھر تاریخی ضلع سلطان محمد فاتح کی
جانب سفر شروع ہو چکا تھا۔

ستمبر کے آخری ایام تھے لیکن استنبول کا موسم بھی کراچی جیسا
معتدل گرمی ماننا تھا۔ استنبول میں ویسے تو کبھی ٹریک جام کی
پریشانی محسوس نہیں کی لیکن شام کے اوقات میں شدید سردی
سے سرکی گاڑیاں فاسٹے طویل کر دیتی ہیں۔ استنبول شہر مجھے اپنے
لاہور کے قریب قریب محسوس ہوتا ہے۔ شریف برادران نے استنبول سے
ہی متاثر ہو کر جدید لاہور کا نقشہ ترتیب دیا تھا۔ سڑکیں کراچی سے چھوٹی
لیکن لاہور جیسی ہیں۔ کسی جگہ گڑھا بہتا پانی یا گڑھے دکھائی نہیں دے۔ صفائی
اور زور انداز پاسز پر مشتمل سڑکوں کا زبردست حال بچھا ہوا ہے۔ سٹل فری
ماحول ہے۔ لاہور میں تو جیسی ہی سرخ رنگت والی اندرون شہر چلنے والی
بیس سڑک کے بیچ میں دوڑتی ہیں جسکے ایک طرح لاہور میں دوڑتی دکھائی

جاری رکھتے ہیں، اور ہاں یہاں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑ دینے کی کوئی
رہنمائی نہیں ہوتی۔

سلطان احمد کے سیاحتی مقامات کے لیے ہمیں ملحقہ ”سیاحتی پولیس“ تعینات
دکھائی دی۔ اس کا مطلب یہ کہ پولیس سیاحوں سے بات کرنے کا سلیقہ
ضرور جانتی ہوگی۔ ہماری کوشش تھی کہ استنبول کو اس مرتبہ اس زیادے سے
دیکھیں اور بیان کریں جو کچھ ہمیں یہاں کی وجہ سے رو گیا تھا۔ ترکی میں بھی
صرف شاہک مال ہی وہ واحد جگہ جہاں ماسک لازمی لگانا پڑتا ہے اور دیگر
مقامات پر حال ہمارے جیسا ہی ہے۔ میں نے پایا کہ ترکی میں زیادہ تر
سیاح یورپی ممالک اور کسی حد تک عرب ممالک سے تعلق رکھتے تھے اور نہ دنیا
کے بہت سے ممالک میں پاکستانی اور ہندوستانی سمیت ایشیائی باشندے
بھی کثیر تعداد میں جا رہے دکھائی دیے جاتے ہیں۔ آیا صوفیا میں اب قاعدگی
سے نماز ہوتی ہے۔ نیلی مسجد اور آیا صوفیا میں اذان کی ترتیب کچھ اس طرح
ہے کہ ایک جانب سے اذان کا ایک فقرہ بلند ہوتا ہے تو دوسرا طرف دوسری
جانب سے اذان کا دوسرا فقرہ بلند ہوتا ہے۔ دونوں اذانیں آپس میں
تکراری نہیں ہیں۔ نماز کے اوقات میں سیاحوں کا داخلہ مسجد میں کچھ دیر
کے لیے بند کر دیا جاتا ہے۔ آیا صوفیا کے مرکزی ہال میں اس مرتبہ نماز کی
ادائیگی کے لیے مطلوبہ بندت سے کیا گیا تھا۔ صیغہ ہمیں اور قائلین بھیجے تھے۔
اس سے پہلے ہمیں پڑے ترجمی
سے چلتے پھرتے لوگ نظر
آتے تھے۔

سلطان احمد کے سیاحتی مقامات کیلئے
علیہ ”سیاحتی پولیس“ تعینات دکھائی دی

نیلی مسجد کے سامنے
میدان ہے اور میدان
کے سامنے میٹرو ٹرین کی
پہری چھٹی ہوئی ہے۔

یہاں ایک جانب گریڈ بازار کا راستہ اور دوسری جانب اترائی والا راستہ
شہر کے دیگر علاقوں سے ملانے والی شاہراہ ہے۔ شہر کے مختلف
مقامات پر مختلف سلطانیوں کے مقبرے اور یادگاری ستون نظر آتے
ہیں۔ بڑی سڑک کے دامن میں ساحل ہے۔ جہاں تقریبی مقام
کے لیے استعمال ہونے والی بہت سی کشتیاں ڈوٹی نظر آتی ہیں۔
کروڑ کی سیر ہم کچھلی مرتبہ کر چکے ہیں بس یوں کچھ بس جہاز سمندر
میں گھومتے گا، آپ کھانا کھاتے ہوئے مختلف تقریبی خانے
دیکھتے جائیں گے، پھر ایشیا اور یورپ کو ملانے والے تاریخی
پاسپورس ہل کے دیدار کا شرف حاصل کر کے آپ واپس
آجائیں گے۔ نیلی مسجد کے پیچھے آراستہ نامی بازار ہے
جہاں پردیس سے انہوں کے لیے یادگاری تھے تحائف
لیے جاسکتے ہیں۔ چونکہ قائلین ہائی کی صنعت بھی ترکی
میں منسوخ مقام رہتی ہے اس لیے بازار میں قائلین کی کافی دکانیں
دکھائی دیں گی۔ اس شہر میں پاکستان کے چند دستوں سے بھی ملاقات
ہوتی۔ ان سے ہونے والی گفتگو کا لب لباب یہی تھا کہ اگر آپ کو ترکی پہنچ
آجائے تو آپ یہاں شہرت تو ہو سکتے ہیں لیکن اس سے پہلے گھر ملازمت
ضروری ہے کوئی چکاڑ شاہد نہ چلے۔ اس شہر میں جگہ جگہ سڑکوں پر رواں یا
پارک شدہ الیکٹریک اسکوٹی دکھائی دے گی۔ اسکوٹی کو موہا ہل ایپ کے
ذریعے با آسانی لگ کیا جاسکتا ہے، بس بنگلہ کیجیو اور پھر مظلوم راستے پر
مطلوبہ ڈوری تک اس پر سواری کے بعد کسی مناسب جگہ پارک کر دیجیے۔
یوں کیجیے کہ اگر کتنیں پیدل چلنے چلنے چمک جائیں اور کتنیں جلدی پہنچنا ہے تو
اسکوٹی آپ کے لیے حاضر ہے۔ (جاری ہے)

پلاسٹک ٹیٹ کا استعمال کیا
گیا تھا لیکن برقیسی میں ایسا انتظام موجود نہیں تھا۔ اس
مرتبہ ہم آن لائن برقیسی سروس کے ذریعے صرف پہلی برقیسی ہی منگوا سکتے تھے
کیونکہ پرائیوٹ گاڑیوں پر پابندی لگ چکی ہے۔ اتفاق سے اس بار بھی
ہمارا ہوٹل سلطان احمد میں آیا صوفیا کے باہل سامنے تھا جہاں ہم 2017ء
میں قیام و طعام کی خدمات وصول کر چکے تھے۔ ہوٹل کی عمارت کے ساتھ ہی
میٹرو ٹرین کی ہل دکھائی پڑتی گزرتی ہے۔ راہ گیروں کو رواں دواں رکھنے
کے لیے بڑی ہی خوبصورتی سے راستہ بنایا گیا ہے۔ لوگ بھی کافی پرسکون
ہیں اور میٹرو ٹرین کے گزر جانے کے بعد پیدل یا موٹور افراد اپنا سفر

